اقبالیات (اردو)

جنوری تا مارچ، ۱۹۸۱ء

مدیر:
ڈاکٹر محمد معزالدین

اقبال اکادمی پاکستان

عنوان	:	اقبالیات (جنوری تا مارچ، ۱۹۸۱ء)
مدیر	:	محمد معزالدین
پبلشرز	:	اقبال اکادمی پاکستان
شہر	:	لاہور
سال	:	۱۹۸۱ء
درجہ بندی (ڈی۔ڈی۔سی)	:	۱۰۵
درجہ بندی (اقبال اکادمی پاکستان)	:	8U1.66V11
صفحات	:	۱۴۸
سائز	:	۱۴٫۵×۲۴٫۵ س م
آئی۔ایس۔ایس۔این	:	۰۰۲۱-۰۷۷۳
موضوعات	:	اقبالیات
	:	فلسفہ
	:	تحقیق

IQBAL CYBER LIBRARY

(www.iqbalcyberlibrary.net)

Iqbal Academy Pakistan

(www.iap.gov.pk)

6th Floor Aiwan-e-Iqbal Complex, Egerton Road, Lahore.

مندرجات

جلد: ۲۱ | اقبال ریویو: جنوری تا مارچ، ۱۹۸۱ء | شمارہ: ۴

اقبال ریویو

مجلّہ اقبال اکادمی پاکستان

یہ رسالہ اقبال کی زندگی، شاعری اور فکر پر علمی تحقیق کے لیے وقف ہے اور اس میں علوم و فنون کے ان تمام شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ شائع ہوتا ہے جن سے انہیں دلچسپی تھی، مثلاً اسلامیات، فلسفہ، تاریخ، عمرانیات، مذہب، ادب، فن، آثاریات، وغیرہ

بدل اشتراک

(چار شماروں کے لیے)

پاکستان	15 روپیہ
بیرونی ممالک	5 ڈالر یا 1.75 پونڈ

قیمت فی شمارہ

4 روپیہ	1.50 ڈالر یا 50. پونڈ

مضامین برائے اشاعت

معتمد مجلس ادارت، ''اقبال ریویو'' 116 میکلوڈ روڈ، لاہور کے پتہ پر ہر مضمون کی دو کاپیاں ارسال فرمائیں اکادمی کسی مضمون کی گمشدگی کی کسی طرح بھی ذمہ دار نہ ہوگی۔

ناشر و طابع: ڈاکٹر محمد معز الدین، مدیر و معتمد مجلس ادارت و ناظم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

مطبع: زرین آرٹ پریس، 61 ریلوے روڈ لاہور

اقبال ریویو

مجلّہ اقبال اکادمی پاکستان

جلد 21   جنوری 1981 بمطابق ربیع الاول 1401 نمبر 4

مندرجات

ہمارے قلمی معاونین

☆ مولانا محمد حسین عرشی — لاہور

☆ صوفی گلزار احمد — لاہور

☆ پروفیسر صابر کلوروی — گورنمنٹ کالج، بکوٹ (ہزارہ)

☆ ڈاکٹر محمد ریاض — علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

☆ ڈاکٹر سعید اللہ قاضی — شعبہ علوم اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی

اقبال اور تشکیل کردار

محمد حسین عرشی

کئی برس پہلے کا واقعہ ہے میں اور جناب خالد اسحاق، ایڈووکیٹ کراچی، مولانا ماہر القادری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس شعر و ادب اور مائدہ اکل و شرب سے فارغ ہو کر گھر کی طرف لوٹ رہے تھے میرا قیام ان دنوں خالد صاحب کے بنگلے پر تھا، وہ اپنی کار خود ہی چلا رہے تھے میں ان کے پاس بیٹھا تھا ان کا کتب خانہ کراچی کے بڑے بڑے کتب خانوں میں ایک ہے اس وقت ان کے پاس مختلف علوم و فنون اور مختلف مشرقی و مغربی زبانوں کی انیس ہزار کے لگ بھگ کتابیں تھیں۔ آج تو ان کی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی ہو گی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور حافظہ قابل رشک ہے ان کی آمدنی کا بڑا حصہ کتابوں ہی پر صرف ہو جاتا ہے۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے مجھے سحابی نجفی کی ایک رباعی یاد آ گئی میں نے اس کا دوسرا شعر پڑھا پوری رباعی اس طرح ہے:

عشق آمد و سوخت باد کفر و دیں ہا
شد آئنہ جمال او آئیں ہا
ہر چند کہ علم و فضل گفتم رد کرد
کاے گول منم مراد و مقصد زیں ہا

اس کے ساتھ مولانا جامی کی ایک رباعی کا پہلا شعر یاد آ گیا:

در رفع حجب کوش نہ در جمع کتب
کز جمع کتب نمی شود رفع حجب

خالد صاحب معروف، کامیاب اور ملک بھر کے ممتاز قانون دان اور ماہر اسلامیات ہیں مختلف علمی، ادبی، دینی، قانونی، تاریخی اور فلسفیانہ موضوعات پر مدلل اور موثر گفتگو کر سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت انہوں نے مذکورہ بزرگوں کے کلام پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کتابیں جمع کرنے اور ان سے مستفیض و مستفید ہونے کا ذوق اپنی جگہ کتنا ہی اہم ہی، کتابی علم روح بشر کا حقیقی مقصود نہیں، البتہ علم نافع حصول مقصود کا ذریعہ بن سکتا ہے اس وقت سحابی ہی کی ایک اور رباعی سامنے آ رہی ہے جو مذکورہ رباعی سے بھی تیز تر ہے:

خود آرائی و ننگ و نام است ایں ہا
در مذہب عاشقاں حرام است ایں ہا
ایں علم و فن تو شیوہ خاصاں نیست
بل آرزوئے قبول عام است ایں ہا

یہ عاشقوں یعنی عارفوں کی باتیں ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے پاس صرف ایک کتاب اور اس کا عملی پیکر ایک ہادی، اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تھا کوئی کالج، یونیورسٹی اور لائبریری ان کے پاس نہیں تھی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے نصف صدی سے کم مدت میں تینوں براعظموں، ایشیا، افریقہ اور یورپ، میں اپنی دینی، اخلاقی اور سیاسی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیے تھے اس کی وجہ علمی اسناد یا ڈگریاں نہیں تھیں، کردار کی پاکیزگی اور عظمت تھی۔ علم کی مخالفت یا تردید مقصود نہیں،

کیونکہ علم تو انسان کا وہ شرف ہے جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائک بنا۔لیکن اگر علم کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ بقول پیر روم "علم را بر تن زنی مارے بوذ" کا مصداق بن جاتا ہے

ہم جیسے جیسے پہلی صدی ہجری سے آگے بڑھتے گئے علم پھیلتا گیا۔اس کے نتیجے میں فرقے بنتے گئے قوم کردار سے تہی دست ہوتی گئی ہر فرقے نے اپنی کتابوں کو آگے اور خدا کی کتاب کو پیچھے کر دیا (الا ماشاءاللہ) اقبال کو کہنا پڑا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

لسان العصر اکبر الہ آبادی نے مذہب کے اس پھیلاؤ اور اختلافی کتابوں کی کثرت سے تنگ آ کر کہا تھا:

یہ صندوق کتب اب مجھ سے یا رب اٹھ نہیں سکتا
یہ مذہب ہے تو مجھ سے بار مذہب اٹھ نہیں سکتا

یہ صندوق کتب جس کو حقیقتاً جہاز ہائے کتب بھی کہیں تو شاید واقعیت کو پورا اظہار نہ ہو سکے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ہوتا اور وہ شب و روز ان کی تشریح، تدریس اور ریسرچ میں منہمک ہوتے تو جہاد کون کرتا اور اقصائے عالم میں اسلام کس طرح پہنچتا؟ علامہ نے کہا تھا:

من آن علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

سقراط عظیم فلسفی تھا اور صاحب تیغ و سپر بھی تھا مسلمانوں میں ایسے لوگ بکثرت

ہوتے رہے ہیں جن کے علم و کمال نے ان کو تیغ و سپر سے بیگانہ نہیں بنایا تھا 1857 کی جنگ آزادی میں، جس کو انگریز نے غدر کا نام دیا، ہمارے علما ہی تھے جنہوں نے انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور بے پناہ مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا برصغیر کی تقسیم کے وقت بھی ہمارے علمائے کرام میدان عمل میں اترے۔ انہوں نے قوم کو تین زبردست مخالف قوتوں کے سامنے صف آرا کر دیا۔ انگریز، ہندو اور کانگرسی مسلمان ہر قیمت پر مسلم لیگ اور اس کے مطالبہ پاکستان کو ختم کرنے کے در پے تھے، لیکن قائد اعظم کے بے مثل تدبر نے علمائے کرام کا عملی تعاون حاصل کر کے سب کو شکست فاش دے دی۔

علامہ اقبال ان دنوں اپنے طویل مرض میں صاحب فراش تھے، لیکن وہ اپنے بستر علالت سے مسلمانوں کی صحیح سمت رہ نمائی کرتے رہے۔ ان کا ذہن و دماغ اس وقت بھی صراط مستقیم پر رواں دواں تھا۔ انہوں نے قوم کی عملی قوتوں کو متحرک کیے رکھا۔ یہ ان کی غیر معمولی بصیرت ہی تھی کہ ان کو مسلمانوں کی کئی جماعتوں، فرقوں، انجمنوں اور ان کے بڑے بڑے مشہور مخلص و جاں باز اور شعلہ بیان قائدوں کے ہجوم سے الگ صرف ایک شخص ایسا نظر آیا جو ان کے نزدیک قوم کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔ یہ ان کے اسلامی شعور، قرآنی بصیرت اور عقل دور رس کا ایک معجزانہ عمل تھا جو قائد اعظم کو ان کے گوشہ عافیت سے نکال کر قوم کے اسٹیج پر لے آیا اور پھر اپنے آخری سانس تک اپنے مشوروں سے ان کی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے۔ یہ فیض تھا اس کتاب نور کا جو اپنی ابتدا سے اختتام تک جہد و عمل ہی کی تلقین و تاکید سے معمور ہے۔ جیسا کہ وہ

خود فرماتے ہیں: ''کوئی مسئلہ ہو، کیسی بھی مشکل پیش آئے، قرآن مجید سے رجوع کرتا ہوں تو مجھے اس کا حل مل جاتا ہے''

اس موقع پر حضرت فاروق اعظمؓ یاد آ رہے ہیں جنہیں علامہ نے اپنے خطبات میں ''اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب'' قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''امیر المومنین! جب ہم نے مدائن فتح کیا تو میرے ہاتھ ایک کتاب لگی جس میں بڑی اچھی باتیں لکھی تھی'' آپ نے کہا!'' کیا قرآن سے بھی زیادہ اچھی باتیں لکھی ہیں؟'' اس نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا: ''یاد رکھو! تم سے پہلی امتیں اس وجہ سے برباد ہوئیں کہ وہ اپنے احبار و رہبان (علما و مشائخ) کی کتابوں پر ٹوٹ پڑیں اور خدا کی کتابوں کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ خدا کی کتابیں مٹ گئیں اور اس طرح دین ان کے یہاں سے ضائع ہو گیا۔ تم ایسا نہ کرنا!'' آپ ہی کا یہ ارشاد مشہور ہے جو حضورؐ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں آپ کی زبان سے نکلا: ''حسبنا کتاب اللہ''

امت مسلمہ کو تمام سابقہ امتوں میں یہ امتیاز حاصل ہوا کہ قرآن حکیم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی جس کو دشمنان اسلام بھی ماننے پر مجبور ہیں، جیسا کہ سر ولیم میور نے کہا ہے: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی کتاب قرآن آج بھی کسی کمی بیشی کے بغیر ویسی کی ویسی ہی موجود ہے جیسی محمدؐ نے اپنے پیرووں کو دی تھی'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن حکیم کے بہت سے اسما و صفات خود قرآن میں مذکور ہیں، مثلاً الشفا، برہان، مبارک، حکیم، عزیز، مہیمن وغیرہ۔ ان میں ایک نام ''نور'' بھی ہے:

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے'' (5:12)

''ہم نے اس قرآن کو نور قرار دیا، اس کے ذریعے ہم بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں'' (53:42)

''تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یقینی دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور اتارا ہے'' (175:4)

علمائے لغت کے نزدیک نور اسے کہتے ہیں جو خود واضح ہو اور دوسری اشیا کو روشن اور واضح کر دے۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی دلیل آپ ہوتی ہے اس کو دیکھنے کے لیے کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح قرآن خود روشن دلیل ہے اسی کی روشنی میں ہم تمام کائناتی علوم سے صحیح استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ غلطی لگی کہ ہر فرقے نے اپنے علماء ومشائخ کی تصانیف کی روشنی میں قرآن کو دیکھا اور اللہ کی کتاب کو انسانوں کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر علامہ اقبال چیخ اٹھے:

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان زماں بے توفیق

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریلؑ و مصطفیؐ را!

1 ''کلیات اقبال اردو'' (''بانگ درا'') ص 204

2 ''کلیات اقبال فارسی''(''زبور عجم'')ص 496

3 سید نذیر نیازی، ''دانائے راز'' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1979) ص 430

4 ''کلیات اقبال اردو''(''ضرب کلیم'')ص 484

5 ''کلیات اقبال فارسی''(ارمغان حجاز)ص 952

جن بزرگوں نے قرآن مجید کی مخلصانہ خدمت کی ہے امت ان کے احسانات کی ہمیشہ معترف رہے گی وہ اس بے توفیقی اور تاویل پسندی سے مستثنیٰ ہیں (رحمۃ اللہ علیہم)

قرآن محض اس لیے نازل نہیں ہوا کہ خوش الحان قاریوں کی سریلی آواز کو سنیں اور تحسین و آفریں کے نعرے بلند کرتے رہیں بقول لسان العصر اکبر الہ آبادی:

داد قرآن کی نہ دو بھائی، عمل اس پہ کرو
پیش درگاہ خدا داد کی حاجت کیا ہے؟

نہ یہ غرض تھی کہ عمر بھر ریسرچ کی محفلیں سجاتے رہیں اور اپنی ساری توانائیاں محض نکتہ آفرینیوں میں صرف کرتے رہیں۔ قرآن حکیم کا اول و آخر سعی و عمل ہے۔ تیس مرتبہ یہ تاکید دہرائی گئی ہے: ''الذین آمنو و عملو الصالحات'' یعنی ایمان اور اعمال صالحہ دونوں مل کر اسلام مکمل ہوتا ہے اور صحیح نتائج پیدا کرتا ہے۔

اعمال صالحہ کیا ہوتے ہیں؟ صرف وہی جو قرآن حکیم نے بتائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائے اور اپنی حیات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اپنے اسوہ حسنہ کی متبع تیار کر دی۔ لیکن ہمارے بے شمار فرقوں

نے اپنے اپنے اعمال صالحہ غیر اقوام کی نقالی میں ایسے ایسے ایجاد کر لیے جن کا نام و نشان بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عہد میں نہیں ملتا۔ علامہ نے اپنے کلام نظم و نثر میں بتکرار قوم کو متنبہ کیا ہے آپ کا آخری پیغام قوم کے نام یہ تھا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است!

اور بقول سعدی:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید
بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفزای بر مصطفیٰ

---

6 ''کلیات اقبال اردو'' (''ارمغان حجاز'') ص 691

یعنی دین پورے کا پورا حضورؐ کے اسوہ حسنہ میں محدود ہے اس سے ہٹ کر ہم نے اپنے اپنے طور پر جو بے شمار اسلام بنا لیے ہیں علامہ بڑے سوز دل سے اس کو'' بولہبی ''قرار دیتے ہیں،۔

یہی پیغام شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''مکتوبات'' میں بار بار دہرایا کہ اسلام میں کسی قسم کی، سیئہ ہو یا حسنہ، بدعت کی گنجائش نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سرتاپا عمل تھی جس کا اعتراف لسان وحی میں اس طرح کیا گیا ہے:

'' آپ کو دن کے وقت بہت کام ہوتے ہیں'' (8:73)

اور آگے بڑھیے تو اسلام کا خدا کسی وقت بھی عمل سے فارغ نہیں ارشاد ہوتا ہے:

" ان ربک فعال لما یرید" (تیرا رب جو چاہتا ہے کر کے رہتا ہے)
(108:11)

"فعال" صیغہ مبالغہ ہے "فاعل" سے، یعنی بہت زیادہ کام کرنے والا

" کل یوم ھو فی شان" ہر روز اس کو ایک دھندا ہے (شیخ الہند)
(30:55)

" دھندا" کے معنی ہیں کام کاج، کاروبار، مصروفیت، پیشہ، ہنر ("نسیم اللغات")

اولم یرو انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاماً

(جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے) علامہ عثمانیؒ (72:36)

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی صناعی اور حکیمانہ کارکردگی سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان صحیح معنی میں مسلمان جب ہی ہو سکتا ہے کہ تخلق با خلاق اللہ اور اسوہ نبوی کے مطابق سراپا عمل ہو جائے۔

علامہ اقبال اپنے پیغام کی تفصیلات میں ہماری بے عملی اور بد عملی سے نالاں رہے اور مسلسل عمل ہی کی دعوت دیتے ہیں اس دنیا سے رخصت ہو گئے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا کلام طاؤس و رباب کی زینت بنا رہے یا محض ریسرچ کے مشغلے پر اکتفا کی جائے۔قرآن اللہ کا پیغام ہے زندگی بخش: ''اللہ اور رسول کی بات سنو جب وہ تم کو زندہ کرنے کے لیے پکارے'' (24:8)

اسی کی پیروی میں علامہ قوم کے تن مردہ میں زندگی کی روح پھونکنا چاہتے تھے فرماتے ہیں: ''کہ خاک راہ کو میں نے سکھایا راز الوندی''

وہ سرتاپا حرکت و عمل اور سعی و جہاد کے پیام بر تھے بقول مولانا گرامی:

در دیدہ معنی نگہاں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

ان کی فارسی شاعری کا آغاز ہی تلوار سے ہوتا ہے۔اس کے بعد ان کے کلام کی فضا میں جا بجا تلوار چمکتی نظر آتی ہے یا اس کے مترادفات و مفہومات انہوں نے اپنی پہلی مثنوی ''اسرار خودی'' میں قوم کو یہ نعرہ دیا اور اسی کے ذریعے اپنے پیغام کا تعارف کرایا:

باغباں زور کلام آزمود
مصرع کارید و شمشیرے درود

ان کے زور کلام اور صحیح سمت فکر نے مسلمانوں کو ایک مجاہد اعظم عطا کیا جس نے انگریز اور ہندو کے بے پناہ لشکروں کے سامنے مسلمانوں کو صف آرا کر دیا اور ایسی فتح حاصل کی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

علامہ اسلاف کا اسوہ عمل پیش کرتے ہوئے ''جواب شکوہ'' میں فرماتے ہیں:

---

7 ایضاً ''بانگ درا'' ص 274

8 ایضاً ("بال جبریل") ص 306

9 "کلیات اقبال فارسی" ("اسرار خودی") ص 5

ہر مسلماں رگ باطل کے لیے نشتر تھا
ان کے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

اور اب یہ حالت ہے کہ "بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بدظن بھی ہوئے" لیکن علامہ اقبال ایسے حالات میں بھی مایوس نہیں ہیں، جیسا کہ اسی نظم میں یہ اشعار بھی ملتے ہیں:

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعدا سے
نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

یہ اشعار آج سے قریباً پونی صدی پہلے انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں پڑھے گئے تھے جب کہ پورا عالم اسلام مغرب کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا اور آج پچاس کے قریب اسلامی ممالک آزاد ہیں۔

آخری بند میں مسلمان کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرد درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

10 ''کلیات اقبال اردو''(''بانگ درا'')ص203

11 ایضاً،ص204 12 ایضاً،ص206

13 ایضاً 14 ایضاً

15 ایضاً،ص 207-280

وہ سکون و جمود کو زندگی کی ضد اور موت کے مترادف قرار دیتے ہیں سرشت حیات کا راز ان کے نزدیک کیا ہے:

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی

اور

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

ان کی طویل "طلوع اسلام" پوری کی پوری جہد و عمل کا پر جوش نعرہ ہے فرماتے ہیں:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں
مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

یہ شعر تفسیر ہے اس آیت پاک کی: "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے خلاف پر جوش ہیں لیکن آپس میں نرم اور مہربان ہیں" (30:48)

"جہان عمل" کے عنوان سے ایک نظم میں علم کو عمل کے بغیر مردہ کہتے ہیں اس میں نفخ روح کر دیں تو وہ عمل بن جاتا ہے:

ما کہ اندر طلب از خانہ بروں تاختہ ایم
علم را جاں بدمیدیم و عمل ساختہ ایم

علامہ کے نزدیک کردار کی اہمیت اس نظم سے بہت نمایاں ہوتی ہے جس کا عنوان ہے "نپولین کا مزار"

---

16 ایضاً، ص 2232 — 17 ایضاً، ص 259

18 ایضاً، ص 272 — 19 ایضاً، ص 273

20 "کلیات اقبال فارسی" ("پیام مشرق")، ص 294

راز ہے، راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز

جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
جوش کردار سے شمشیر سکندر کا طلوع
کوہ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز!
جوش کردار سے تیمور کا سیل ہمہ گیر
سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز!

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز!

یہ شعر غالباً اشارہ ہے اس آیہ کریمہ کی طرف: ''کافروں کو تم نے نہیں مارا تھا بلکہ ان کو اللہ نے مارا تھا، اور جب تو نے پتھر پھینکے تو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے'' (18:8)

فانی زندگی، اس کا مصرف پھر، اس کے بعد۔۔۔۔۔ یہ تینوں نکتے ایک شعر میں سمیٹ لیے ہیں:

ہے مگر فرصت کردار نفس یا دو نفس
عوض یک دو نفس قبر کی شب ہائے دراز!

یہ مبحث خواجہ حافظ کے ہنگامہ پرور شعر پر ختم کرتے ہیں:

''عاقبت، منزل ما وادی خاموشاں است
حالیات غلغلہ در گنبد افلاک انداز!''

علامہ کے نزدیک کردار کی عظمت کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی شہنشاہی کوئی

حقیقت نہیں رکھتی، اس لیے کہ یہ آنی و فانی ہے اور وہ جاودانی علامہ کا حسن تقابل ملاحظہ فرمائیے:

میرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے، وہ آئینہ سازی!

21 ''کلیات اقبال اردو'' (''بال جبریل'') ص 442-441

22 ایضاً، ص 442 23 ایضاً، ص 438

فقر اور آدم گری سے مراد کردار سازی ہے، جس کو فراموش کر کے ہم ان کے زندگی بخش پیغام کو طبلہ و سارنگی کے حوالے کر کے مطمئن ہو گئے اور نازک آئینہ سازی کو اپنا نصب العین بنا لیا، جس کا انجام چکنا چور ہو جانے کی سوا کچھ نہیں۔ اس شعر میں بھی اس آیت کا پرتو نظر آ رہا ہے: ''تم جلدی سے ملنے والی نعمت کو پسند کرتے ہو اور بعد میں آنے والی نعمت کو نظر انداز کر دیتے ہو'' (22:75) پنجابی ضرب المثل ہے: اہ جگ مٹھا، اگلا کس ڈٹھا

کردار کا استحکام اور تاثیر سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں ملتی ہے ''قم اللیل'' سے ''اشدو طاء لک'' پڑھ جائیے اس کا مفاد یہ ہے کہ شب خیزی اور تفکر فی القرآن سے خفتہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور نفس بہیمی کو پامال کرنے میں مدد ملتی ہے علامہ کا ارشاد ہے:

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار

اس موقع پر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نورانی رباعی

پیش کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ بقول نظیری نیشاپوری:

پائم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

خواجہ فرماتے ہیں:

شب خیز کہ عاشقاں بشب راز کنند
گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بشب بر بندند
الا در دوست را کہ بشب باز کنند

اللہ! اللہ!! رات کو جب سب دروازے بند ہو جاتے ہیں، قبولیت اور التفات دوست کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے بقول شاعر:

اللیل للعاشقین ستر
یا لیت اوقاتہ تدوم

---

24 ایضاً، ص 437

رات عاشقوں کے لیے پردہ یعنی خلوت وصال ہے اے کاش یہ لذت جاودائی ہوتی!

حضرت علامہ علم اور فقر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

اگر تحصیل علم کے بعد عقل و خرد کو پاک باز و پاک اندیش نہیں کر سکے تو وہ علم بے

مقصود و نامراد رہ گیا۔ اسی طرح اگر فقر کی مزاولت سے قلب و نگاہ عفیف نہ ہوئے تو وہ فقر نہیں، مجاوری یا پیری کے بہروپ میں گداگری ہے۔ زیادہ فاش گوئی سے کام لیا جائے تو اللہ والوں کے نزدیک حرام خوری اور استخوان فروشی ہے۔

علامہ حقیقی فقر اور نمائشی فقر کا تعارف کراتے ہیں:

"قم باذن اللہ" کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

ان کی ایک غزل کا مطلع ہیں:

تھا جہاں مدرسہ شیری و شہنشاہی
آج ان خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

کردار سے تہی دامنی ہمارے احبار و رہبان کی اکثریت پر چھا گئی اس احساس نے علامہ سے یہ شعر کہلوایا:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

یہی چاروں چیزیں زندگی، محبت، معرفت اور نگاہ، کردار کے عناصر اربعہ تھے جب ہمارے مقدس اداروں سے یہ رخصت ہو گئے تو ہم جو عوام ہیں، یہ سودا کس دکان سے خرید سکتے ہیں؟

---

25 ایضاً، ص 369 — 26 ایضاً، ص 453

27 ایضاً، ص 327 — 28 ایضاً، ص 338

حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

"هل افسد الدین الا الملوک و احبار سوء و رهبانها"

دین کی خرابی کا باعث اہل اقتدار اور بے کردار علماء و مشائخ ہوتے ہیں

کردار کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو علامہ کے کلام میں ایسے اشعار کی اتنی کثرت ملتی ہے کہ اگر انہیں پیغمبر کردار کہا جائے تو کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا اس سلسلے میں اشعار ذیل خصوصاً ملاحظہ طلب ہیں:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!

کردار کا قدیم ترین اور مطاع انبیا نمونہ حضرت ابراہیم اور ان کے اصحاب میں ملتا ہے: "ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ موجود ہے" (5:60)

علامہ فرماتے ہیں:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

زندگی سراپا جہاد ہے پختگی کردار کے سوا حقیقی فتح مندی حاصل نہیں ہو سکتی:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

قوت، پاکیزگی اور عظمت کردار کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے

29 ایضاً، ص 349

30 ایضاً (''بانگ درا'') ص 271

31 ایضا! ص 205

32 ایضاً، ص 272

غیر اللہ کی غلامی ان صفات حسنہ سے محرومی کے مترادف ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا، نہ تن!

خودی کی بیداری کی تاثیر دیکھیے:

جس بندہ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق!

مومن کی شان بتاتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

جس کے ایمان میں

'' کل یوم ھو فی شان''

کا ایقان شامل ہو جائے وہ ایک حال میں جامد کیسے رہ سکتا ہے؟ بقول پیر روم ہے:

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہرچہ بروے می رسی آنجا مایست

خواجہ فرید بھی اسی مقام سے بول رہے ہیں:

عمراں گزریاں چند کریندیاں اجے یار دا ڈیرہ پرے توں پرے

تھک نہ بہیں تے نہ ہار فریدا! بھاویں یار قبول کرے نہ کرے

صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اس کو "سیر فی اللہ" کہتے ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں

کردار کا اعجاز یہ ہے کہ متضاد صفات ایک ہی ذات میں مرتکز ہو کر ایک دوسرے کی معاون بن جاتی ہیں:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

---

33 ایضاً ("بال جبریل") ص 323

34 ایضاً ("ضرب کلیم"، ص 532

35 ایضاً 522 36 ایضاً، ص 507

37 ایضاً ("بال جبریل") ص 389

" اشدآء علی الکفار رحماء بینھم"

کفار کے خلاف پر جوش، آپس میں نہایت نرم و رحیم (30:48)

صاحب کردار کی دلوں کو موہ لینے والی خوبیاں دیکھیے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جان پر سوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

خود علامہ کو اللہ تعالیٰ نے نگاہ بلند، سخن دل نواز اور جاں پرسوز سے بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ جن لوگوں کو ان کی ہم نشینی کی سعادت میسر آئی ہے وہ اس کا اعتراف کریں گے۔

ایک اور جگہ صاحب کردار کا تعارف کراتے ہیں:

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

ہماری اکثریت حصول زر اور تلاش معاش کی لگن میں کردار سے محرومی کا شکار ہو جاتی ہے علامہ اس پر زبردست ضرب لگاتے ہیں:

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

صدق، عدل اور مردانگی کا اجتماع انسان کو مرتبہ امامت کا مستحق بنا دیتا ہے:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آج جو میکیاولی یا چانکیہ کے پیرو قیادت کے مدعی ہیں ان اسلامی اوصاف سے عاری ہونے کے باعث فرعون کی طرح انسانیت کو جہنم کی طرف لیے جا رہے ہیں اور نہیں سمجھتے:

"وھم لایشعرون" (92:17)

---

38 ایضاً، ص 341

39 ایضاً ص289

40 ایضاً، ص 348

41 ایضاً (بانگ درا) ص 280

علامہ کے نزدیک ان کے پیکر خاکی جان سے محروم ہیں:

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

حکیم سنائی غزنوی فرماتے ہیں:

مردگی جہل و زندگی دین است
ہر چہ گفتند مغز آں این ست

ان بزرگوں نے یہ نکتہ قرآن حکیم سے حاصل کیا ہے جو کفار کو اموات موتی اور من فی القبور کہتا ہے:

''تو ہرگز مردوں کو نہیں سنا سکتا'' (81:27)

''زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالی جس کو چاہے سننے کی توفیق دیتا ہے تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں دبے ہوئے ہیں'' (23:25)

کردار ہی سے تقابل و تصادم کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کی قوت پیدا ہوتی ہے:

آزماید صاحب قلب سلیم
زور خود را از مہمات عظیم
زندگانی قوت پیدا ستے
اصل او از ذوق استیلا ستے

با توانائی صداقت توام است

گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

مردان حق پر ایسا وقت بھی آتا ہے جب وہ اپنی جان کی بازی لگا کر حق کا علم بلند رکھتے ہیں:

در جہاں فتواں اگر مردانہ زیست

ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

''جو لوگ اللہ تعالی کی راہ میں قتل ہوئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو۔ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے'' (18:3)

42 ایضاً، ص 259

43 ''کلیات اقبال فارسی'' (''اسرار خودی'') ص 49

44 ایضا!، ص 50

45 ایضاً

46 ایضاً، ص 49

علامہ کی شاعری کا راز حیات میں ایک بلند آہنگ رجز کی شان رکھتی ہے ان کے اشعار ہنگامہ ونبرد کے پروردگار ہیں:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

کہاں یہ جرأت وجسارت اور کہاں رابندرانا تھ ٹیگور کی خواب آور میٹھی لوریاں یہی عزم وہمت اور بے خوفی وبے با کی علامہ کو شعرائے عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

کلمہ توحید پر ایمان و ایقان دلبری و قاہری دونوں کو ایک ذات میں جمع کر دیتا ہے۔اس کے فقدان پر علامہ آنسو بہاتے ہیں۔

اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ!
دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

دوسروں کی تقلید، نقالی اور احتیاج اپنی ذات اور ملی روایات پر عدم اعتماد اور غیروں کے سہارے زندگی گزارنا کردار کی موت ہے:

تراش از تیشہ خود جادہ خویش
براہ دیگراں رفتن عذاب است

در جہاں بال و پر خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتوان با پر و بال دگراں

بقول سعدی:

رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

47 ''کلیات اقبال اردو''(''بانگ درا'')ص178

48 ایضاً(''بال جبریل'')ص342

49 ایضاً،325

50 ''کلیات اقبال فارسی''(''پیام مشرق'')ص 229

51 ایضاً، ص 244

مشرق کی اکثریت مغرب کی ذہنی غلامی پر نازاں ہے۔اس کی ہر بھونڈی ادا کو بھی اپنا قبلہ مقصود سمجھ رہی ہے۔علامہ کے نزدیک یہ زندگی کی علامت نہیں ہے:

زندگی از طوف دیگر رستن است

خویش را بیت الحرم دانستن است

آتشے افروز از خاشاک خویش

شعلہ تعمیر کن از خاک خویش

از گل خود آدمے تعمیر کن

آدمے را عالمے تعمیر کن

یہ اعلیٰ صفات نازنینی اور آسائش طلبی سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔اس کے لیے کردار کی محکمی کی ضرورت ہے:

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن

تا شوی بنیاد دیوار چمن

جن لوگوں نے امتوں کی بنیادیں رکھی ہیں وہ عصر حاضر کے ناز پرورد، راحت کوش اور عیش پسند انسانوں کی طرح ہوتے تو کوئی بھی حیات افروز تحریک جنم نہ لے سکتی! عقائد و اخلاق کی پاکیزگی کا تصور ہی پیدا نہ ہوتا، انسانیت کو دور وحشت سے نکلنا ہی نصیب نہ ہوتا۔وہی کوہ وقار اور اسوہ استقلال لوگ تھے جنھوں نے انسان کو حیوان کی سطح سے بلند کیا۔انھی کے اسمائے گرامی سلسلہ ذہب کی حیثیت

رکھتے ہیں جس کی ایک کڑی علامہ اقبال کے وجود میں نمودار ہوئی۔ علامہ نے اسی مقدس ومطہر اور زندہ و پائندہ پیغام کو ایسے حسین اسلوب اور جرأت و جسارت کے پیکر میں بین الاسلامی بلکہ بین الاقوامی اسٹیج پر جلوہ افروز کیا جس کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں کی عالمی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ان پر قابل قدر تحریری کام عالمی سطح پر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ العزیز ضرورت اس بات کی ہے کہ اور آگے بڑھ کر کردار و عمل کی وادی میں قدم رکھا جائے۔ نوجوانوں کی ایک جماعت صرف

---

52 ایضاً (''اسرار خودی'') ص 66

53 ایضاً، ص 67

54 ایضاً، ص 49

55 ایضاً، ص 54

اسی کو اپنا نصب العین بنائے اس کے ارکان خود اسوہ کردار بنیں اور صحابہ کرامؓ کی پیروی میں اسی کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتے جائیں ان کے سامنے علامہ کا یہ ارشاد رہنا چاہیے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن

نیست ممکن جز بقرآں زیستن

قرآن حکیم سے دوری کی وجہ سے آج ہمارا جو حال ہے علامہ نے پوری وضاحت سے اس کی تصویر کشی کی ہے:

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو

ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار!

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو

خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام!

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ

وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام!

اس آخری مصرعے کی شرح ایک مرحوم اقبال شناس نے یوں کی ہے:

اگر مسلمان اقبال کو سمجھ لیتا تو وہ ایک دن بھی غیر کا محکوم و غلام نہ رہ سکتا، اور اگر انگریز پر ان کی تعلیم منکشف ہو جاتی تو وہ ایک دن بھی فرنگی کی قید سے آزاد نہ رہ سکتے۔

---

56 ایضاً، ص 123

57 ''کلیات اقبال اردو'' (''ضرب کلیم'') ص 502

58 ایضاً، ص 487

☆☆☆☆☆☆

علامہ اقبال۔۔۔امت اسلامیہ کا عظیم شاعر اور فلسفی

صوفی گلزار احمد

علامہ اقبال کو بہت بڑا شاعر، پیام بر اور فلسفی مانا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی تھے جس میں تمام اوصاف یک جا مجتمع ہوں ایک انسان میں ان تمام اوصاف کا پایا جانا فطرت کا ایک نادر کرشمہ ہے۔ ایک فلسفی یا مفکر جو اپنی قوم اور ملت کے لیے وہ بر اور پیام بر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ شاعر بھی ثابت ہو، اس قوم و ملت کے لیے بڑی خوش نصیبی ہے۔ ایک فلسفی اور مفکر کے متعلق عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ خیالات اور افکار کی دنیا میں رہتا ہے، احساسات اور جذبات کی دنیا سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایک فلسفی اور مفکر کی دنیا اس کے خیالات اور افکار ہیں اور ایک شاعر کی دنیا اس کے احساسات اور جذبات ہیں ایک فلسفی اپنے دماغ سے ہم کلام ہوتا ہے اور ایک شاعر اپنے دل سے گفتگو کرتا ہے اور اس سے متعلق ہی کہتا سنتا ہے۔ لیکن ایک فلسفی شاعر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ اپنے دماغ کی بھی سنتا ہے، اس کے خیالات اور افکار کو اپناتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان خیالات اور افکار کو احساسات اور جذبات کی چاشنی بھی دے دیتا ہے وہ جو کچھ سوچتا اور سمجھتا ہے، اسے احساسات اور جذبات کے قالب میں ڈھالتا جاتا ہے۔ گویا اپنے خیالات اور افکار کو دل کی گہرائیوں تک پہنچانا اور انہیں اپنے احساسات میں سمو دینا مفکر شاعر کا سب سے بڑا کمال ہے۔ یہی کمال علامہ اقبال کی فلسفیانہ شاعری میں

عروج پر ہے۔

ایک مفکر کا کام سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے، کائنات کے مختلف پیچیدہ حقائق اور مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ خود انسان کی تخلیق ہی سب سے بڑا معمہ ہے جس سے متعلق ہر زمانے میں فلسفی سر دھنتے رہے ہیں۔ علامہ اقبال بحیثیت ایک فلسفی ان تمام گتھیوں کو سلجھانے میں مشغول نظر آتے ہیں۔ وہ ایسے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جو غور و فکر اور دریافت کی قوت کو بر سر کار لائیں، مثلاً انسان، خدا، کائنات کی اصل حقیقت و ماہیت، حیات و ممات، زمان و مکاں وغیرہ۔ ایک مفکر کائنات کے مختلف حقائق کو دیکھنے کی غیر معمولی استعداد رکھتا ہے اس پر حیات و ممات کے تمام راز آسانی سے منکشف ہو جاتے ہیں جو ایک عام آدمی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں وہ ان غیبی واقعات اور حادثات کو بھی دیکھ لیتا ہے جو ابھی معرض وجود میں نہیں آئے۔ علامہ اقبال فطرتاً ایک ایسی طبع کے مالک تھے جس کا ایک فلسفی اور مفکر میں پایا جانا ضروری ہے۔ وہ کائنات میں محض گلزاروں اور چمنستانوں کی سیر پر ہی اکتفا نہیں کرتے اور محض پھولوں اور کیاریوں کی ظاہری خوب صورتی اور دل آویزی انہیں دلی سکون مہیا نہیں کرتی، بلکہ وہ ان کے دل میں اتر کر دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے سینے چیر کر رازہائے سر بستہ کا کھوج لگانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک ایسا دماغ لے کر آئے تھے جو زندگی کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا اور اس پر طرہ یہ کہ وہ ایک ایسا دل لے کر آئے جو سوز حیات اور درد کائنات سے بھرپور تھا، یعنی فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کے لیے جس پر سوز دل کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ بحیثیت ایک فلسفی شاعر کے انہوں نے کشت

شعر میں وہ آب یاری کی کہ دنیائے تغزل دنگ رہ گئی اقبال کے فلسفیانہ کلام کی نمایاں خصوصیت فلسفہ حیات کی پیش کش ہے۔

فلسفہ حیات کی جھلکیاں ہمیں ان کے کلام میں جا بجا ملتی ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک سراپا جوش، سعی و کوشش، عمل پیہم اور متواتر جدوجہد کا نام ہے جس میں سکون نام کو نہیں انسانی زندگی کے لیے سکون موت ہے وہ زندگی جس میں حرکت نہیں، عمل پیہم کا فقدان ہے۔ وہ زندگی ہمارے لیے دراصل موت کا پیام ہے۔ ہماری ہستی کی روح رواں عمل پیہم اور سراسر حرکت ہے چنانچہ اقبال انسان کو اپنے کلام میں اسی جدوجہد کا درس دیتے ہیں اور اسے سکون اور بے عملی سے ڈراتے اور دھمکاتے ہیں چنانچہ ایک جگہ انسان کی طرف مخاطب ہو کر یوں فرماتے ہیں:

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج!
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا!

ایک اور جگہ زندگی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زندگی کو سود و زیاں کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ زندگی اس سے بالاتر ہے۔ اس میں سود و زیاں کو مد نظر رکھنا فضول بات ہے اور نہ ہی اسے امروز و فردا کے پیمانے سے ناپنا چاہیے۔ زندگی تو جاوداں ہے، ایک ایسی شے ہے جو ہر دم جواں رہنے والی ہے اور وہ پیہم رواں دواں رہتی ہے اس میں سکون نام کو نہیں چنانچہ ایسی زندگی کے حصول کے لیے متواتر جدوجہد اور عمل پیہم ایک لازمی شرط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!
تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!

انسان کے متعلق فرماتے ہیں کہ تو اس ہستی کے ذخار سمندر میں ایک حباب کی مانند ہے اور تجھے اس دنیا میں محض ایک امتحان کے لیے لایا گیا ہے، ایک ایسی دنیا جس میں زیاں ہی زیاں ہے اور سود نام کو نہیں یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کو زیاں خانہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زندگی سراسر حرکت ہے اور سراپا جدوجہد کا نام ہے۔ یہ مشکلات اور مصائب سے بھرپور ہے۔ زندگی گزارنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں چنانچہ اسے آسان کام نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسی کے متعلق لکھتے ہیں:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی!

نظریہ خودی:

اقبال کے نزدیک خودی کا تصور بہت وسیع ہے یہی وہ تصور ہے جو انسانی زندگی کو سرگرم عمل رکھتا ہے۔ اقبال کی نظر میں خودی سے مراد ذہنی ارتقا ہے جو تمام ادنی

اور اعلیٰ مخلوقات میں جاری و ساری ہے۔ خودی کی بدولت ہی کسی انسان کو اپنی ذات کا شعور ہوتا ہے اور اپنی ذات کے شعور کے علاوہ اپنے مقاصد کا شعور بھی ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ شعور ہے جو انسان کو کائنات کی دیگر مخلوقات سے ممیز کرتا ہے۔ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خودی کیا ہے؟ راز درون حیات!
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات!

تمام مخلوقات میں انسان کو اس لیے افضل اور اعلیٰ مانا گیا ہے کہ اس کی خودی کو اور مخلوقات میں برتری حاصل ہے انسانی ہستی ہی ایک حقیقی ہستی ہے کیونکہ انسانی ہستی کا آغاز ہی خودی کا شعور ہے اور خودی کا شعور اس وقت مستحکم ہوتا ہے جب انسان اپنے ماحول کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہوئے اس پر غالب آ جائے اور اس میں خودی کی آگ زور سے بھڑک اٹھے۔ خودی کی نشو و نما کا راز ہی مسلسل حرکت، عمل پیہم اور لگاتار جد و جہد میں مضمر ہے۔ خودی اپنے استحکام اور بقاء کے لیے ہمیشہ خارجی قوتوں سے برسر پیکار رہتی ہے تا کہ وہ ان پر غلبہ حاصل کرے اور اپنی ہستی کو ترقی کا سامان بہم پہنچائے۔ ماحول اور خارجی قوتوں سے نبرد آزما ہوئے بغیر خودی کی بقا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ اقبال خودی کی عظمت و شان کے بہت قائل نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک خودی وہ حربہ ہے جس کی مدد سے انسان میں سکندری و حیدری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ باطل کی کسی قوت سے مرعوب و مغلوب نہیں ہوسکتا اور اس کے راستے میں خواہ کتنی ہی مشکلات کیوں نہ ہوں سر کر لیتا ہے۔ غرض سارے جہاں کی قوتیں اس کی ذات کے تابع بن کر رہ جاتی ہے

قیصر و کسریٰ کی عظمت اور جاہ و جلال اس کے سامنے ہیچ ہوتا ہے۔ وہ خودی کے بل بوتے پر ہی فاتح عالم بنتا ہے اور دنیا پر چھا جاتا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ!
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا

اقبال خودی کی عظمتوں اور اس کے جاہ و جلال کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ خودی کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں یا بالفاظ دیگر اسے فرش سے اٹھا کر عرش کے مقام تک لے جاتے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

علامہ اقبال کے نزدیک خودی کی نمود سوز و ساز سے ہے خودی کا طالب انسان سوز آرزو سے بے چین رہتا ہے۔ ایسی زندگی سعی پیہم اور سراپا عمل سے عبارت ہے، اگر انسان کو سکون میسر ہو تو وہ مرگ دوام ہے۔ طالب خودی کا سوز آرزو ہی اسے ہر دم سرگرم عمل رکھتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لیے کارزار ہستی میں برسر پیکار رکھتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے زندگی کی حقیقت کو وہ سوز آرزو اور مقاصد کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے جیسا کہ ان اشعار سے واضح ہے:

زندگانی را بقا از مدعاست
کاروانش را درا از مدعاست

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است

پھر ایک جگہ اس زندگی کی حقیقت کا نقشہ اس خوبی سے کھینچتے ہیں کہ انسانی ہستی کی تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ نہایت سادہ اور بلیغ الفاظ میں:

دریں گلشن پریشاں مثل بویم
نمی دانم چہ می خواہم، چہ جویم
بر آید آرزو یا بر نیاید
شہید سوز و ساز آرزویم

اقبال کے نزدیک انسانی زندگی اور خودی کے یہ ارتقائی منازل اس عالم رنگ و بو پر ختم ہو کر نہیں رہ جاتے، بلکہ عالم رنگ و بو کے علاوہ وہ عالم بھی ہیں جو انسان کی نظر سے پوشیدہ ہیں اور جہاں انسان کی زندگی ارتقائی منازل طے کر کے مستحکم ہو سکتی ہے اور اس کی خودی تقویت حاصل کر سکتی ہے۔ خودی کے یہ وہ میدان کل ہیں جہاں روز و شب اور زمان و مکاں کی کوئی قید نہیں۔ شاعر انسان کو زماں و مکاں کی قید سے بالاتر سمجھ کر اس کی عظمت اور شان و شوکت کا اعتراف بھی کرتا ہے اور اس کی طاقت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے، جیسا کہ ان اشعار سے واضح ہے:

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں!
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

نظریہ عشق:

اقبال کے نزدیک انسان کے اندر سوز تمنا اور سوز آرزو ہی اس کے تمام افعال کا ذمہ دار ہے اور اسے حرکت میں رکھتا ہے یہ وہی سوز و ساز ہے جس کی بدولت انسانی زندگی میں ہما ہمی ہے اور وہ مقاصد کے حصول کے لیے ہر دم کوشاں رہتی ہے۔اسی تمنا یا آرزو کے شدید احساس کو عشق و محبت کا نام دیا گیا ہے۔ عشق و محبت کے بغیر انسانی زندگی کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ یہی انسانی زندگی کی روح رواں ہے۔ عشق ہی سوز ہے اور عشق ہے ساز۔ انسانی زندگی میں تمام بے چینی اور بے قراری اسی کی بدولت ہے۔ عشق سراپا جدو جہد اور سرگرمی عمل کا نام ہے۔ عشق کا کام کسی منزل پر رکنا نہیں بلکہ ہر لمحے اس کا مقصد آگے بڑھنا ہے تا کہ وہ ادنیٰ مظاہر سے اعلیٰ مظاہر کی طرف پیش قدمی کرتا جائے۔ اقبال پیر رومی کے مقلد ہوتے ہوئے عشق کو تمام کائنات کی روح رواں اور اس کا مبدا خیال کرتے ہیں۔ کائنات کی ادنیٰ مخلوق سے لے کر اعلیٰ مخلوق تک اسی عشق کے تابع نظر آتی ہے۔ عشق کائنات کی ہر شے میں موجود ہے اور ہر شے کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔ عشق صرف انسانوں ہی میں موجود نہیں بلکہ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات غرض کہ کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے اور اس طرح یہ ہر ذرے کا تعلق اس اصل حقیقت کے ساتھ قائم رکھتا ہے اقبال عشق کی عظمتوں کے اس قدر قائل ہیں کہ کائنات کا غائر مطالعہ کرتے ہوئے ہر جگہ عشق کا جلوہ ہی دیکھتے ہیں چنانچہ ان اشعار سے ظاہر ہے:

یہ برگ لالہ رنگ آمیزی عشق

بجان ما بلا انگیزی عشق
اگر ایں خاکداں را وا شگافی
درونش بنگری خوں ریزی عشق

انسانی زندگی میں عشق کی کارفرمائی اور اس کی کارکردگیوں کو اقبال ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ہر انسان جھوم اٹھے اور اس پر وجد طاری ہو جائے یہ صرف اقبال کی بلند نظری اور وسعت ذہنی کا نتیجہ ہے کہ وہ عشق میں ایسا سرور و نشاط دیکھتے ہیں عشق کی بدولت ہی انسانی زندگی سرور و کیف سے لبریز نظر آتی ہے ہر طرف نشاط ہی نشاط اور مسرتیں اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہیں، ورنہ انسانی ہستی کی کیا مجال کہ وہ ایسی مسرتوں اور سرور و کیف سے لطف اندوز ہو چنانچہ لکھتے ہیں:

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات!
عشق سے نور حیات، عشق سے نار حیات

پیر رومی اور علامہ اقبال کے عشق میں فرق یہ ہے کہ جہاں پیر رومی محویت ذات الٰہی کے تاثرات میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں، اقبال کا جذبہ عشق ایک جذبہ تخلیق اور جذبہ ارتقا بن گیا ہے۔ اقبال چونکہ زندگی میں سراپا جوش، قوت عمل، جذبات اور وجدانات کی تخلیق کرنے والے شاعر ہیں، اس لیے ان تمام کے لیے وہ صرف عشق لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک تمام تہذیب و تمدن کی ترقی، مذہب، صنعت و حرفت، حسن و آرٹ کی تخلیق کا کام عشق کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ ہر قسم کی تخلیق کا مبدا یہی عشق ہے۔ عشق انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی نظر آتا ہے۔ عشق نہ ہو تو زندگی کے کسی شعبے میں ہما ہمی نہ رہے۔ انسان خواہ کسی کام پر گام زن

ہو، اس کو چلانے والا یہی عشق ہے۔ عشق کی مدد سے ہی انسان سوچتا، فکر کرتا اور پھر عمل کی طرف راغب ہوتا ہے عشق کے بغیر عقل اور دل و نگاہ بھی خام ہیں، جیسا کہ ان اشعار سے واضح ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات!

ایک اور جگہ عشق کی عظمت اور شان و شوکت پر غور کرتے ہوئے یوں عشق کی ترجمانی کرتے ہیں:

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسینؑ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اقبال کا جذبہ عشق ایک جذبہ تعمیر اور جذبہ ارتقا ہے، جس کا کام کہیں رکنا نہیں بلکہ ترقی کی راہ میں آگے بڑھنا ہے یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کو آرزوؤں اور تمناؤں کے شدید احساس سے لبریز کیے ہوئے ہے جس انسان کا دل جذبہ عشق سے لبریز ہے، وہ ہر دم جواں ہے، وہ پیہم سعی و کوشش کا قائل ہوتا ہے، وہ وصل کی بجائے ہجر کا متلاشی رہتا ہے، اسے ہجر میں وہ لذت نصیب ہوتی ہے جو وصل میں بھی میسر نہیں آسکتی اس عالم سوز و ساز کا وصل اس کے لیے مرگ دوام ہے

اور ہجر اس کے لیے لذت دوام اقبال کے خیال میں وصل اس عالم سوز و ساز میں تمام آرزوؤں کی موت ہے۔ انسان کا ارتقا اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ عشق کے بل بوتے پر آگے بڑھتا جائے، تمناؤں آرزوؤں کی آگ میں ہر دم جلتا جائے اور اسے کبھی چین نصیب نہ ہو۔ زندگی کی اصل یہی ہے اور عشق کا حاصل بھی یہی

چیز ہے ہجر میں تڑپنا ہی حاصل زندگی ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو انسان کے لیے سکون موت ہے۔ آرزوؤں کی تڑپ اور مقاصد کے حصول کی لگن انسان کو میدان عمل میں کشاں کشاں لیے جاتی ہے، جیسا کہ ان اشعار سے واضح ہے:

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو! ہجر میں لذت طلب!

اقبال کے نزدیک خودی کی تکمیل کا کام عشق کے بغیر سر انجام نہیں پا سکتا۔ خودی کے ارتقا کے لیے عشق ایک غذا کا کام دیتا ہے اگر عشق کی غذا میسر نہ ہو تو خودی کی ہستی معدوم ہو جائے۔ عشق جہاں زندگی کا جوہر ہے، خودی عشق کا جوہر ہے:

جوہر زندگی ہے عشق،
جوہر عشق ہے خودی

اقبال کے نزدیک عشق و محبت ایک تقلید کا نام ہے عشق کے معنی یہ نہیں کہ عاشق اپنی ذات کو معشوق کی ذات میں ضم کر دے بلکہ یہ کہ وہ بزرگ و برتر شخصیت اسے ایک آئینے کا کام دے اور وہ ان تمام صفات سے متصف ہو جائے جو اس شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں اسی میں خودی کی تکمیل کا راز مضمر ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است
از محبت می شود پایندہ تر
زندہ تر، سوزندہ تر، تابندہ تر

عشق و محبت کے ساتھ ساتھ اقبال فقر و استغنا کو بھی نہیں بھولتے۔

ان کے نزدیک فقر و استغنا بھی خودی کو تقویت دیتا ہے فقر مادی لذتوں سے بے نیاز ہو کر کائنات کی قوتوں کو تسخیر کر لینے اور ان کو اپنی ذات کے تابع کر لینے کا نام ہے فقر تمام امن و انصاف کا ضامن اور غلاموں اور بے کسوں کا سہارا بھی ہے۔ یہی وہ فقر ہے جس کا اقبال درس دیتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری!
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری!
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری!
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری!

جب انسانی خودی عشق و محبت اور فقر و استغنا کی بدولت مضبوط اور استوار ہو جاتی ہے تو کائنات انسانی خودی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہے اور اس طرح انسان کائنات کی تمام تسخیری قوتوں کو مغلوب کرتا اور انہیں اپنی ذات کے تابع کر لیتا ہے:

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماں دہ عالم شود

فرد اور ملت:

علامہ اقبال محض فرد کی واحد زندگی کا ہی غائر مطالعہ نہیں کرتے بلکہ ایک معاشری اور اجتماعی زندگی پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اقبال کا عقیدہ یہ ہے کہ فرد کا اصل حیات اس کی واحد زندگی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی ہے یہی وہ زندگی ہے جس

میں انسان بلند سے بلند مقاصد کا تعین کر لیتا ہے اور اعلیٰ و ارفع روحانی اور اخلاقی اقدار کو اپناتا ہے اجتماعی زندگی میں انسان کے ذاتی مفادات کی کوئی حقیقت نہیں رہتی بلکہ وہ اپنے ذاتی مفادات کو معاشرتی مفادات میں کھو دیتا ہے اور اس طرح اپنی ذات کو پورے طور پر ایک معاشرے میں ضم کر دیتا ہے انسان ایک معاشرتی حیوان ہے ایک معاشرے سے الگ اس کی اپنی کوئی ہستی نہیں تنہا فرد اپنے مقاصد سے بھی بے گانہ رہتا ہے۔ انسانی ہستی کی نمود اور اس کا ارتقا اس حالت میں ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات کی ایک معاشرے کے ساتھ مطابقت پیدا کر لے۔ اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اقدار کے حصول کی ضامن بھی یہی چیز ہے ایسے ہی انسانوں کو بقائے دوام حاصل ہے اور وہ لافانی ہیں جو اپنی ہستی کو دوسروں کی ذات میں کھو کر اپنی ذات اور اس کے مفادات سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگ وسعت قلب و نظر کے دل دادہ ہوتے ہیں اور زندگی کے اسرار و رموز سے آشنا چنانچہ اقبال اپنے اشعار میں جا بجا فرد اور ملت کے ربط کی تلقین کرتے ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ

اسی انداز میں بعض اور جگہ فرد اور ملت کے باہمی رشتے پر نظر ڈالتے ہوئے فرد کو جماعت میں گم ہونے کا مشورہ دیتے ہیں:

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرہ وسعت طلب قلزم شود

فرد تنہا از مقاصد غافل است
قوتش آشفتگی را مائل است

مذہب اور زندگی:

علامہ اقبال بحیثیت ایک مرد مسلمان کے اثبات حیات کے قائل ہیں وہ انسان کو مرد مجاہد اور ایک عامل کی زندگی بسر کرنے پر اکساتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبال کے نزدیک اس کائنات کی بنیاد ہی عمل پر ہے۔ کائنات میں انسانی زندگی سراپا عمل اور مسلسل جدوجہد ہے اور اس کارزار ہستی میں وہی مرد مجاہد کامیاب ہوتا ہے جو عمل کو ہاتھ سے نہ چھوڑے اور مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرتا چلا جائے اقبال کو اسلام سے والہانہ عشق ہے وہ ہر مسلمان کو اسلامی تعلیمات کے اپنانے اور پھر ان تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کے لیے لائحہ عمل بنانے کی ترغیب دیتے ہیں اقبال ایک شاعر عمل اور مرد مجاہد ہیں ان کے ہاں اثبات حیات کا تصور اس قدر نمایاں ہے کہ وہ مشکلات اور مصائب کو دعوت دیتے ہیں اور پھر ان پر حاوی ہونا چاہتے ہیں:

سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں!

سکون اور آرام کو وہ زندگی کے لیے پیام موت خیال کرتے ہیں ایک مرد مجاہد

اور مسلمان کے لیے پر سکون اور خاموش زندگی حرام ہے وہ پر جوش اور خطرناک واقعات اور حادثات کا مقابلہ کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے اس لیے اس قسم کا خوف اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا اور اس کی زندگی کو ناکام نہیں بنا سکتا۔

اقبال ایسی زندگی کے خواہاں ہیں جو انہیں اعتدال کی راہ دکھائے اور یہ زندگی اسلامی تعلیمات سے باہر رہ کر کسی صورت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ مشرق کی زندگی راہبانہ ہے اور مغرب کی زندگی خالص مادی زندگی، چنانچہ اقبال کے نزدیک ان میں سے کوئی زندگی بھی بہتر طور پر پنپ نہیں سکتی۔ اقبال اسلامی تصور حیات کو اپناتے ہوئے اور اسلامی تعلیمات پر زور دیتے ہوئے سب امتوں اور اقوام میں سے بہتر امت اسلامیہ کو گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی وہ امت ہے جو ایک صحیح اور متوازن تصور حیات پیش کرتی ہے اور جو صحیح طور پر عالم انسانی کی رہ نمائی کر سکتی ہے۔

امت اسلامیہ کا مستقبل:

علامہ اقبال اس پر سخت تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ امت اسلامیہ جو عالم انسانی کی صحیح رہ نمائی کر سکتی ہے، آج کل قعر مذلت میں گری ہوئی ہے۔ کبھی اسے اتنا عروج حاصل تھا کہ یہ امت فاتح عالم تھی اور دنیا کے لوگ اس سے رہ بری اور رہ نمائی حاصل کرتے تھے ان تمام باتوں کے باوجود علامہ اقبال نا امیدی اور یاس کا شکار نہیں وہ پر امید ہیں اور ان کی شاعری رجائیت سے بھر پور ہے انہیں اس بات کی پوری پوری امید ہے کہ یہ امت اسلامیہ جس کا شیرازہ اس وقت بکھر چکا ہے،

پھر ایک بار متحد ہو کر عالم انسانی کے لیے ایک مثالی امت بن جائے گی امید واثق ہے کہ علامہ اقبال، جو اس دنیا میں اسلامی انقلاب کے نقیب ہیں اور اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا ایک دفعہ پھر اسلامی تعلیمات سے فیض یاب ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا دور دورہ ہو، کا یہ خواب ایک حقیقت بن کر ابھرے گا اور دنیا میں اسلام کا پھر بول بالا ہو گا، اور موجودہ صدی یعنی پندرھویں صدی ہجری خالصتاً اسلام کے عروج کی ہو گی۔

---

1 ''کلیات اقبال اردو''(''بال جبریل'')ص326

2 ایضاً ''بانگ درا''ص258-259

3 ایضاً،ص259

4 ایضاً

5 ایضاً(''بال جبریل'')ص419

6 ایضاً،ص377

7 ایضاً،ص375

8 ''کلیات اقبال فارسی''(''اسرار خودی'')ص15

9 ایضاً،(''پیام مشرق'')ص197

10 ''کلیات اقبال اردو''(''بال جبریل'')ص352

11 ''کلیات اقبال فارسی''(''پیام مشرق'')ص192

12 ''کلیات اقبال اردو''(''بال جبریل'')ص387

13 ایضاً،ص404

14 ایضاً

15 ایضاً،ص 406

16 ایضاً،ص 401

17 ''کلیات اقبال فارسی''(''اسرار خودی'')ص18

18 ''کلیات اقبال اردو''(''بال جبریل'')ص452

19 ''کلیات اقبال فارسی''(''اسرار خودی'')ص25

20 ''کلیات اقبال اردو''(''بانگ درا'')ص190

21 ''کلیات اقبال فارسی''(''رموز بے خودی'')ص82

22 ''کلیات اقبال اردو''(''بانگ درا'')ص274

23 ایضاً،(''بال جبریل'')ص413

☆☆☆☆☆

اقبال بحیثیت مفکر پاکستان

ڈاکٹر عبدالحمید

علامہ اقبال بیک وقت فلسفی بھی تھے اور شاعر بھی انہوں نے پاکستان کی جغرافیائی حصوں کی نشان دہی کی اور ہم عصر مسلم معاشرے کے دینی، سیاسی اور معاشرتی رجحانات پر دوٹوک اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان جیسے غیر معمولی انسانوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے ہوئے بھی ''من کی دنیا'' میں ڈوب کر قدرت کے بعض سربستہ رازوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں ان کے خیالات، تحریروں اور تقریروں کا منبع ہمیشہ ایک نہیں ہوتا کبھی وہ اپنے گرد وپیش کے حالات سے متاثر ہو کر زبان کھولتے ہیں اور کبھی اپنی شخصیت کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے احساسات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔۔

علامہ اقبال دو طرح سے مفکر پاکستان قرار پاتے ہیں اولاً انہوں نے برصغیر میں ایک اسلامی سلطنت کے امکان کو بہ دلائل ایک عملی شکل میں پیش کیا ثانیاً فکر اقبال کے بہت سے اجزا ہمارے ذہن کا حصہ بن چکے ہیں شعوری اور غیر شعوری طور پر ہم ان کے بلند مقاصد کے ساتھ جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

علامہ اقبال کے خیالات کا مرکز اور محور وحدت اسلامی کا تصور تھا اور وہ اس کے ان تھک مبلغ تھے۔ کتاب کے پہلے حصے میں ان خطرات کا جائزہ لیا گیا ہے جو 1857 کے بعد مسلمانوں کی قومی وحدت پر منڈلا رہے تھے دوسرے حصے میں

اقبال کی زندگی کے سیاسی پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے عملی سیاست کی وادی میں اقبال کا سفر مختصر تھا، لیکن ان کی سیاست کوئی ذاتی یا خلا کی سیاست نہ تھی، بلکہ اسی سیاست کا حصہ تھی جو ظہور پاکستان کا باعث بنی۔

صفحات 179 قیمت 26 روپے

مکمل فہرست کتب طلب فرمائیں

اقبال اکادمی پاکستان

116 میکلوڈ روڈ، لاہور

☆☆☆☆☆

''تبرکات اقبال''.........ایک جائزہ

صابر کلوروی

حضرت علامہ اقبالؒ کے کلام کے بیشتر مجموعے علامہ کی زیرِ نگرانی ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے، البتہ علامہ کا متروکہ کلام یا وہ کلام جو مختلف رسائل میں شائع ہونے کے باوجود علامہ کے پاس محفوظ نہیں تھا ان مستند مجموعوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ علامہ کی وفات کے دس گیارہ سال بعد اس طرف توجہ دی گئی اور سب سے پہلے مولوی عبدالرحمٰن طارق نے اپنی کتاب ''جہان اقبال'' (مطبوعہ 1947) میں ''رختِ سفر'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ''جہانِ اقبال'' کی اشاعت سے پہلے اور اس کی اشاعت کے بعد بھی علامہ کا متفرق کلام گاہے گاہے اس زمانے کے ادبی پرچوں میں شائع ہوتا رہا۔ مثال کے طور پر رسالہ ''شاہکار'' لاہور مارچ 1946 کی اشاعت میں نظیر لدھیانوی نے چند ایسے اشعار شائع کیے تھے جو اس وقت علامہ کی کسی مستند مجموعہ کلام میں موجود نہ تھے۔

''رختِ سفر'' کی مذکورہ اشاعت سے بھی پہلے محمد بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی 1950 میں پٹنہ (بھارت) سے ''اصلاحاتِ اقبال'' کے نام سے ایک کتاب شائع کر چکے تھے اس کتاب میں علامہ کے اشعار کا ابتدائی متن اور اس میں اصلاح و اضافے کا حال بیان کیا گیا تھا ''رختِ سفر'' کی اشاعت کے بعد اقبال کی گم گشتہ کلام کی بازیابی اور اس کی دوبارہ اشاعت کا ایک نیا باب کھل گیا اس کے

ایک سال بعد ہی 1953 میں عبدالواحد معینی نے ''باقیات اقبال'' کے عنوان سے ایک کتاب پیش کی اس ضمن میں تیسری پیش رفت مولانا غلام رسول مہر کی طرف سے ہوئی جنہوں نے 1959 میں ''سرود رفتہ'' کے عنوان سے ایک مجموعہ پیش کیا1926 میں علی گڑھ سے 238 صفحات کی ایک اور کتاب عبدالغفار شکیل نے '' نوادر اقبال'' کے نام سے پیش کی ''باقیات اقبال'' کا دوسرا ایڈیشن 1922 میں شائع ہوااس میں بہت سے نئے مواد کا اضافہ کیا گیا جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلا ایڈیشن 188 صفحات پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے ایڈیشن کے 504 صفحات ہیں اس مجموعے کی طبع دوم کی تدوین میں سید عبدالواحد معینی کے ساتھ عبداللہ قریشی نے بھی کام کیااور 1922 سے پہلے اس ضمن میں جتنا مواد مختلف کتابوں یا رسائل میں شائع ہو چکا تھااس سے بھرپور استفادہ کیا گیا بلکہ خوشہ چینی کی گئی ۔اگر یہ ''خوشہ چینی'' تمام کی تمام ہوتی تو اقبالیات سے دل چسپی رکھنے والوں پر ایک احسان عظیم ہوتا کہ وہ اس قبیل کی دوسری کتابوں کی خریداری سے بچ جاتے ،لیکن تمام ماخذات سے اپنی مرضی کے چند پھول چن کر اس نئے گلدستے میں سجا دیے گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ دیباچے میں ان ماخذات کا حوالہ تک نہیں دیا گیا ''باقیات اقبال'' طبع دوم کا تقریباً چھتر فی صد کلام وہی ہے جو ''سرود رفتہ'' میں اس سے پہلے 1959 میں مولانا غلام رسول مہر شائع کر چکے تھے اس کلام کو1922 میں ''باقیات اقبال'' کے طبع دوم میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا'' باقیات اقبال'' کے مولفین کے ''استفادہ'' کی زد سے مولانا غلام رسول مہر کے مرتب کردہ مجموعے کی صرف چھ نظمیں، چار متفرق اشعار، دو رباعیاں، دو مزاحیہ

اشعار، اور ''اسرار و رموز'' کے بقیہ اشعار مندرجہ ص 247 تا 259 (''سرود رفتہ'')ہی بچ سکے اگر چہ اس امر کے ثبوت میں کافی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں کہ مولانا غلام رسول مہر نے بھی ''باقیات اقبال'' طبع اول سے ''استفادہ'' کیا تھا یہ نقل در نقل کا اعجاز ہی تھا کہ ''باقیات اقبال'' طبع دوم کے مولفین سے کئی غزلوں اور نظموں کے اشعار چھوٹ گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ ''باقیات اقبال'' طبع دوم میں ایک سرسری سے اندازے کے مطابق متن کے چوہتر اختلافات موجود ہیں بیشتر نظموں میں جو جزوی ترمیمات ''بانگ درا'' کی ترتیب کے دوران کی گئی تھیں ان کا ذکر فضول سمجھ کر نہیں کیا گیا بیشتر اختلافات کاتب کے ''زور قلم'' کا کرشمہ ہیں جن کی تصحیح پر نہ پہلے اور نہ آئندہ توجہ دی گئی۔

اقبال کے متروکہ کلام کے ضمن میں ایک اور اہم کتاب ''روزگار فقیر'' جلد دوم ہے جس کے صفحات 224 تا 399 پر اسی طرح کا کلام شائع ہوا ہے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن نومبر 1924 میں شائع ہوا۔ اگر چہ مولف نے اس طرح کا کلام شائع کرتے وقت اس وقت تک شائع ہونے والی کتب دیکھ لی تھیں تاہم قرائن سے پتا چلتا ہے کہ ان کے پیش نظر ''سرود رفتہ''۔ ''رخت سفر'' اور ''باقیات اقبال'' طبع اول ہی موجود تھیں مولف نے اپنی کتاب میں موازنے اور متن کی درستی کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور یہ مجموعہ اپنی چند کوتاہیوں کے باوصف سب سے زیادہ معیاری سمجھا جا سکتا ہے۔ اس مجموعے کے پانچ متفرق اشعار اور ایک قطعہ ''تبرکات اقبال'' (مولفہ بشیر الحق دسنوی) میں موجود ہے اس کے علاوہ ''روزگار فقیر'' کی انیس نظمیں، دس غزلیں اور بیس پچیس اشعار بھی ''باقیات اقبال'' کی طبع دوم میں

بلا حوالہ شامل کر لیے گئے ہیں۔

''روزگار فقیر'' کے علاوہ دو اور کتابوں کا حوالہ بھی ضروری ہے جو اگرچہ اس موضوع پر مستقل نوعیت کی کتابیں تو نہیں ہیں لیکن ان میں ایک گوشہ علامہ کے متروکہ یا غیر مطبوعہ کلام کے لیے ضرور رکھا گیا ہے ان میں پہلی کتاب ''انوار اقبال'' (مرتبہ بشیر احمد ڈار) ہے جس کا پہلا ایڈیشن اقبال اکادمی کے زیر اہتمام مارچ 1927 میں شائع ہوا اس کتاب کے ص 301 تا 313 پر ایسا ہی کلام درج ہے دوسری کتاب ''اوراق گم گشتہ'' ہے جو اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور کے زیر اہتمام 1975 میں شائع ہوئی تھی اس کتاب میں علامہ کے چند اشعار کا ابتدائی متن اور چند متروکہ اشعار شامل ہیں اسے پروفیسر رحیم بخش شاہین نے مرتب کیا تھا۔

یہ تذکرہ تو ان کتابوں کا ہے جو اس موضوع پر مستقل اہمیت رکھتی ہیں ایک سرسری سا جائزہ ان رسائل کا جن میں علامہ کا متروکہ کلام شائع ہوتا رہا ہے درج ذیل ہے:

1 ''اقبال ریویو''، جولائی 1926، اکبر علی خان: ''نوادرات اقبال''

2 ''اقبال ریویو'' جنوری 1923، اکبر علی خان: ''نوادرات اقبال''

3 صحیفہ شمارہ 9

4 ''صحیفہ'' شمارہ 1973 (اقبال نمبر)، افضل حق قریشی: ''نوادرات اقبال''

5 ''ماہ نو'' اقبال نمبر 1977: مضامین عابد رضا بیدار، ''ایک جوئے

کہستان،موج رواں“ اکبر علی خان: ”اقبال کے چند نوادر“

6 رسالہ ”اقبال“ اکتوبر 1976، اختر راہی: ”ایک قطعہ“

7 ”اقبال ریویو“ ستمبر 1925، لطف اللہ بدوی: ”علامہ کی ایک فراموش شدہ نظم“، ”شمع ہستی“

8 ”اقبال ریویو“ جنوری 1970، بشیر احمد ڈار: ”اقبال پر نیا مواد“

9 ”صحیفہ“ شمارہ 13، اکبر علی خان: ”نوادر اقبال“

10 ”صحیفہ“ شمارہ مارچ، اپریل 1977، ڈاکٹر عبدالغنی: ”ایک قطعہ“

ان رسائل میں سے نمبر 1 میں چار نوادر، نمبر 2 میں ”بانگ درا“ کا ایک شعر ابتدائی صورت میں، نمبر 3 اور 4 میں ایک ایک شعر اور نمبر 5 میں مجموعی طور پر تیرہ نوادرات ایسے ہیں جو متذکرہ بالا کسی مستقل کتاب میں شائع نہیں ہوئے اس کے علاوہ نمبر 6 تا 10 کی ذیل میں درج شدہ تمام رسائل کا کلام دیگر کتب میں شائع ہو چکا تھا ان رسائل میں شائع شدہ نوادرات اس لیے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان اشعار کا تفصیلی پس منظر بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے مختلف متنوں کے موازنے اور ایک درست متن کے انتخاب میں کافی رہنمائی ملتی ہے۔

کتابوں اور رسائل کی نشان دہی کے بعد اب ایسے ماخذات کی نشان دہی کی جاتی ہے جن میں کہیں کہیں علامہ کی ایسی شعری تخلیقات پیش کی گئی ہیں جو یا تو کہیں شائع نہیں ہوئیں اور یا ان کے متن میں اختلاف ہے اور یا یہ اصلاح سے پہلے کا متن پیش کرتی ہیں علامہ کے متروکہ کلام کی تدوین نو میں ان ماخذات کی اہمیت

بہر طور مسلم ہے۔ کتب درج ذیل ہیں: ''کلیات اقبال'' (اردو) حیدر آباد (مرتبہ مولوی عبدالرزاق) ''ذکر اقبال'' (عبدالمجید سالک) ''اقبال'' از عطیہ بیگم (ترجمہ عبدالعزیز خالد اور ضیاء الدین برنی) ''مکاتیب اقبال' جلد اول و دوم (شیخ عطاء اللہ) ''جہان اقبال'' (مولوی عبدالرحمٰن طارق) ''ادبی دنیا'' ''نقوش'' (اقبال نمبر) ''نیرنگ خیال'' (اقبال نمبر) ''اوکار'' (خاص نمبر 1929) رسالہ ''شاہ کار'' لاہور اور رسالہ ''اردو'' (اقبال نمبر طبع جدید 1977) ادارہ نقوش عنقریب ''نقوش '' کا نوادرات اقبال نمبر شائع کر رہا ہے جس سے توقع کی جاتی ہے کہ علامہ کی کئی شعری تخلیقات سامنے آسکیں گی اس کے علاوہ عبدالقوی صاحب بھی ''مہر نیمروز'' کے عنوان سے علامہ کی ایسی شعری تخلیقات وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے ہیں۔

ان تک ہم نے جن ماخذات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک کتاب کا ذکر قصداً نہیں کیا گیا اگرچہ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے اور اس موضوع پر دوسری کتب کے شائع ہونے کے بعد اب اس کی افادیت کم ہو گئی ہے، تاہم اس کی اولیات مسلمہ ہیں اور یہ کتاب ہے ''تبرکات اقبال'' جسے بشیر الحق دسنوی نے اپریل 1959 میں پٹنہ میں شائع کیا تھا اس کتاب کا دیباچہ دل چسپ ہے مولف نے ''کلیات اقبال'' (اردو) حیدر آباد مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور دیگر اخبارات و رسائل کی مدد سے

---

1 ''رخت سفر'' کا ایک اور ایڈیشن محمد انور حارث نے پچھلے سال شائع کیا ہے جس میں چند نئے اضافے کیے گئے ہیں اسی طرح سال گزشتہ میں ''باقیات اقبال'' کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے جس میں ضمیمے کے طور پر علامہ کا متروکہ کلام پیش کیا گیا ہے یہ اضافے اپنی جگہ بے شک اہم ہیں، لیکن ان کے بارے

میں مباحث ہم کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

''باقیات اقبال'' اور ''مخذوفات اقبال'' کے نام سے دو مجموعے 1951 کے اواخر میں مرتب کر لیے تھے، لیکن مکروہات زمانہ کی وجہ سے یہ مجموعے شائع نہ ہو سکے اور اسی دوران میں ''رخت سفر'' اور ''باقیات اقبال'' مرتبہ عبدالواحد معینی طبع اول کی اشاعت کی وجہ سے بشیر الحق دسنوی صاحب کے متذکرہ دونوں مجموعوں کے بیش تر اشعار ان مجموعوں میں شائع ہو گئے تھے یہ ایک طرح کی ادبی دیانت داری تھی کہ مولف نے ان مجموعوں کی اشاعت کے بعد اپنی کتابوں کی اشاعت روک دی۔ البتہ 1958 میں مولف نے اپنے مرتب کردہ مجموعوں میں سے وہ کلام جو ''رخت سفر'' اور ''باقیات اقبال'' طبع اول میں شائع نہیں ہوا تھا ایک مختصر سی کتاب ''تبرکات اقبال'' میں شائع کر دیا۔

اس کے بعد متروکات اقبال سے دلچسپی لینے والے اصحاب ے اپنی اپنی کتابوں میں ''تبرکات اقبال'' سے بھرپور ''استفادہ'' کیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ اس کتاب میں صرف دو اشعار اور ایک غزل نما نظم ہی ایسی رہ گئی ہے جو کسی رسالے یا کتاب میں شائع نہیں ہوئی۔

ہمارا مقصد ''تبرکات اقبال'' کی تنقید یا تنقیص نہیں ہے بلکہ اس مضمون میں ہم چاہتے ہیں کہ ''تبرکات اقبال'' کے مختلف نوادرات کا ایک ایک کر کے جائزہ لیں کہ یہ کہاں کہاں شائع ہو چکے ہیں اور نقل در نقل کی وجہ سے علامہ کا متروکہ کلام کیا صورتیں اختیار کرتا رہا ہے چونکہ یہ کتاب اب نایاب ہے اور صرف ملک کی چیدہ چیدہ لائبریریوں میں ہی موجود ہے اس لیے کلام اقبال سے دلچسپی رکھنے والے

اصحاب اس کتاب سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے اس مضمون کا مقصد ایسے ہی اصحاب کو ایک بھرپور جائزہ پیش کرنے کے بعد اصل کتاب سے بے نیاز کرنا ہے چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر مضمون کے آخر میں ایسا کلام شامل کرلیا گیا ہے جو تبرکات اقبال کے علاوہ کسی اور کتاب یا رسالے میں (ہمارے علم کی حد تک) اب تک شائع نہیں ہوا۔

ساٹھ صفحات پر مشتمل کتاب ''تبرکات اقبال'' میں کل بارہ غزلیں، تین رباعیاں، اور سات قطعات ہیں۔ان قطعات میں سے دو قطعات فارسی کے ہیں فارسی میں چند ظریفانہ اشعار کے علاوہ تین نظمیں ہیں اور چار مفرد اشعار ہیں۔اس کے علاوہ مختلف شخصیات کی تاریخ وفات کے ضمن میں قطعات ہیں جن کی تعداد سات ہے چند اشعار ایک وید منتر کے ترجمے کی صورت میں ہیں اور ایک غیر مطبوعہ قصیدہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

اس کلام میں سے ایک قصیدہ اور چھ غزلیں مولوی عبدالرحمٰن طارق کی کتاب ''جہان اقبال'' (اپریل 1947) کی اولین اشاعت سے ماخذ کی گئی ہیں ''ذکر اقبال'' مرتبہ عبدالمجید سالک (1955) سے دو اشعار اور چار قطعات لیے گئے ہیں جن میں سے تین قطعات تاریخ وفات ہیں ایک قطعہ تاریخ وفات ''مکاتیب اقبال'' مرتبہ شیخ عطاء اللہ کی جلد اول اور ایک جلد دوم سے لیا گیا ہے ''ذکر اقبال''، ''جہان اقبال'' اور ''مکاتیب اقبال'' میں مشمولہ ان اشعار پر بحث تضیع اوقات ہے البتہ ''تبرکات اقبال'' کی دوسری نظموں، غزلوں اور اشعار کی افادیت اور اہمیت اوران میں پائے جانے والے اختلافات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

''تبرکات اقبال'' کی پہلی غزل (ص 8-9) رسالہ ''زبان'' دہلی ماہ ستمبر 1893 میں شائع ہوئی تھی یہ غزل اس طرح مصرعے پر لکھی گئی تھی

''میرے آگے شکوہ بے جا کا دفتر رکھ دیا''

یہ غزل بارہ اشعار پر مشتمل ہے تمام اشعار ''سرود رفتہ'' مرتبہ غلام رسول مہر اور صادق علی دلاوری (1959) کے صفحات 242 تا 244 میں شائع ہو چکے ہیں البتہ ''سرود رفتہ'' اور ''تبرکات اقبال'' کے متن میں دو اختلافات موجود ہیں ''سرود رفتہ'' کی مذکورہ غزل کے دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ ''سینے'' ہے، جب کہ ''تبرکات اقبال'' میں یہ لفظ ''سینہ'' ہے اسی طرح چوتھے شعر کا دوسرا مصرعہ ''سرود رفتہ'' میں اس طرح درج ہے:

''قبر میں میرا صبا نے جسم لاغر رکھ دیا''

حالانکہ

---

2 ''سرود رفتہ'' کے ص 244 پر اس غزل کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ ''زبان'' دہلی 1894 میں شائع ہوئی اس کتاب میں مہینے یا شمارے کا کوئی ذکر نہیں اس لیے ''تبرکات اقبال'' کے بیان کو ہی زیادہ مستند سمجھا جانا چاہیے۔

''تبرکات اقبال'' میں لفظ ''میں'' کی جگہ ''پر'' ہے

''تبرکات اقبال'' کی دوسری غزل (ص 10-11) بھی رسالہ ''زبان'' کے نومبر 1893 کے شمارے میں شائع ہوئی تھی طرح مصرعہ یہ تھا: ''خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا'' یہ غزل بھی ''سرود رفتہ'' میں صفحات 143-144 پر شائع ہو چکی ہے اسی زمین میں گیارہ اشعار پر مشتمل ایک غزل ''روزگار فقیر'' جلد

دوم (مرتبہ فقیر وحید الدین) میں صفحات 300 اور 301 پر شائع ہوئی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ غزل غالباً گجرات کے مشاعرے کے لیے کہی گئی تھی فرق صرف یہ ہے کہ ''روز گار فقیر'' والی غزل میں ردیف ''صیاد کا'' ہے اور قافیے لیا، گیا، گھر، خانہ، ڈر، مگر وغیرہ ہیں شاید انہی بے ڈھنگے قافیوں کی بنا پر علامہ نے بعد میں یہ غزل ترک کر دی تھی۔

''تبرکات اقبال'' کی تیسری غزل (ص 12-13) بھی طرح مصرعہ پر لکھی گئی تھی۔ یہ غزل فروری 1894 کے رسالہ ''زبان'' دہلی میں شائع ہوئی تھی یہی غزل ''سرود رفتہ'' میں ص 144 پر موجود ہے اس لیے متن کا تذکرہ لاحاصل ہے البتہ دو اختلافات کی نشان دہی ضروری ہے اس غزل کا پانچواں شعر ''سرود رفتہ'' میں یوں درج ہے ''ہم نشیں کس لیے جینے کی دعا دیتے ہیں؟'' تبرکات اقبال کے متن میں ''کس لیے'' کے بجائے ''کے لیے'' درج ہے اسی طرح سرود رفتہ میں شامل اس غزل کے آٹھویں شعر کے پہلے مصرعے میں بھی اختلاف ہے تبرکات اقبال میں لفظ ''ہیں'' درج ہے، جب کہ سرود رفتہ میں لفظ ''ہوا'' درج ہے سرود رفتہ کا زیر بحث شعر یہ ہے

''موت بولی جو ہوا کوچہ قاتل میں گزر''

ایک اور سرسری سا فرق اشعار کی تقدیم و تاخیر کا بھی ہے جس کی نشان دہی فائدے سے خالی نہیں سرود رفتہ میں شامل غزل کے شعر نمبر 4 اور 5 تبرکات اقبال میں شامل اسی غزل میں بالترتیب نمبر 5 اور 4 پر درج ہیں۔

''تبرکات اقبال'' کے ص 14 پر ایک اور غزل شائع ہوئی ہے جس مولف

کتاب ہذا کے مطابق رسالہ ''خدنگ نظر'' لکھنو بابت ماہ مئی 1902 میں شائع ہوئی تھی سرودرفتہ (ص 146) میں لکھا ہے کہ یہ غزل 1896 کے کسی مشاعرے کے لیے کہی گئی تھی اسی غزل میں علامہ کا وہ مشہور زمانہ شعر بھی شامل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مرزا ارشد گورگانی سنتے ہی اچھل پڑے اور کہنے لگے اقبال! اس عمر میں یہ شعر؟ ''ذکر اقبال'' مرتبہ عبدالمجید سالک، ص 18

''تبرکات اقبال'' اور ''سرودرفتہ'' کے موازنے سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ تبرکات اقبال والی غزل نامکمل ہے ''سرودرفتہ'' (ص 142) میں اس غزل کے تیرہ اشعار شامل کیے گئے ہیں جب کہ ''تبرکات اقبال'' (ص 14) میں صرف پانچ اشعار درج ہیں ان پانچ اشعار میں سے چار اشعار (نمبر 1,2,4,5) سرود رفتہ والی غزل کے بالترتیب اشعار نمبر 13,7,2,1 کے تحت درج ہیں، جب کہ پانچواں شعر جو ترتیب کے اعتبار سے ''تبرکات اقبال'' میں تیسرے نمبر پر ہے ''سرودرفتہ'' میں شامل نہیں ہے اصل میں یہ غزل کل سولہ اشعار پر مشتمل تھی ''روزگار فقیر'' جلد دوم (ص 276) میں اس غزل کے باقی تین اشعار بھی شائع ہو چکے ہیں ان تین اشعار میں پہلا شعر:

جادو عجب نگاہ خریدار دل میں تھا

تبرکات اقبال میں موجود ہے، لیکن سرودرفتہ میں شامل نہیں، انہی تین اشعار میں سے نمبر ایک پر درج ہے تاہم غزل میں ان تین اشعار کی نشست کا مسئلہ اصل رسالہ دیکھے بغیر ناممکن ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تین اشعار محولہ بالا رسالے خدنگ نظر میں شائع ہی نہ ہوئے ہوں۔

3 علامہ نے یہ نظم اپنی طالب علمی کے زمانے میں حکیم امین الدین مرحوم کے مکان اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں منعقدہ ایک مشاعرے میں کہی

4 ''روزگار فقیر'' ہی کے حوالے سے باقیات اقبال طبع دوم (ص 390) میں بھی شائع ہوئی اسی کتاب کے مطابق ''سرود رفتہ'' میں شامل یہ غزل ''بہار گلشن'' جلد دوم میں بھی شامل کی گئی تھی۔

5 صحیفہ شمارہ 9 کے ص 30 پر لکھا ہے کہ اس نظم کے باقی اشعار ''نیا دور'' لکھنو میں شائع ہوئے تھے۔

اس غزل کے ضمن میں ''تبرکات اقبال'' اور سرود رفتہ کے متن میں ایک اختلاف کا ذکر بھی ہو جائے ''سرود رفتہ'' کے بارھویں شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح درج ہے: ''آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹا نکال کے'' جب کہ ''تبرکات اقبال'' میں اسی مصرعے میں لفظ ''کانٹا'' کی جگہ ''کانٹے'' لکھا ہے جو ہمارے خیال میں زیادہ قرین قیاس ہے۔

''تبرکات اقبال'' کے ص 15 پر کلام زمانہ طالب علمی کے زیر عنوان علامہ کی دو رباعیاں شائع ہوئی ہیں جو آپ نے کشمیری کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں وقتاً فوقتاً پڑھی تھیں اور بعد میں ''کشمیری گزٹ'' یا کانفرنس کی رپورٹوں میں شائع ہوئی تھیں اسی سلسلے کی باقی چھ رباعیاں ''باقیات اقبال'' (طبع اول و دوم) میں شائع ہو چکی ہیں، لیکن یہ دو رباعیاں بعد میں سرود رفتہ میں شامل کر لی گئیں پہلی رباعی سرود رفتہ کے ص 226 پر شائع ہوئی ہے متن میں صرف ایک اختلاف ہے سرود رفتہ میں لفظ ورثے ہے جب کہ ''تبرکات اقبال'' (ص 15) میں لفظ ورثہ ہے دوسری

رباعی سرودرفتہ میں ص245 پر شائع ہوئی ہے یہاں بھی متن میں ایک اختلاف پایا جاتا ہے سرودرفتہ میں تیسرا مصرع یوں ہے:

''ذرے ذرے میں ہے اک حسن کا طوفان بپا''

جب کہ ''تبرکات اقبال'' میں لفظ میں کی جگہ سے ہے۔

مندرجہ بالا دونوں رباعیاں ماہ نو اقبال نمبر 1977 میں ص355 پر شائع ہو چکی ہیں پہلی رباعی میں یہاں بھی لفظ ''ورثے'' درج ہے جب کہ دوسری رباعی میں صاحب مضمون جناب اکبر علی خان نے ''تبرکات اقبال'' والا متن اختیار کیا ہے جو صحیح متن کی دریافت کے ضمن میں ایک اہم اشارہ ہے ''ماہ نو'' میں ان رباعیات کی شان نزول میں بیان کی گئی ہے منشی محمد الدین فوق کے بیان کے مطابق یہ ''کشمیری میگزین'' اکتوبر 1909 کے شمارے میں چھپی تھیں ''تبرکات اقبال'' کے مولف کے بیان کے مطابق، انہوں نے یہ رباعیاں ''کلیات اقبال'' مرتبہ مولوی عبدالرزاق، حیدرآباد، سے نقل کی ہیں۔

''تبرکات اقبال'' کے ص 18-149 پر ایک اور قطعہ درج ہے جو ''ذکر اقبال'' (ص 25) میں ''دل چسپ قطعہ'' کے زیر عنوان درج ہے۔ ''تبرکات'' کے مولف کے مطابق یہ قطعہ 1904 کا ہے اور خیام لاہور مورخہ 1-8 اکتوبر 1938 کے سال نامے میں شائع ہوا تھا رسالہ ''خیام'' اور ''ذکر اقبال'' کے متن میں بھی ایک اختلاف پایا جاتا ہے ''ذکر اقبال'' میں لفظ بھاٹی دروازے ہے جب کہ خیام میں دہلی دروازے لکھا گیا ہے ہمارے نزدیک دہلی دروازے ہی صحیح ہے، کیونکہ علامہ 1900 سے 1905 تک بھاٹی دروازے کے اندر محلّہ جلوٹیاں میں ایک کرائے

کے بالا خانے میں رہتے تھے اور چونکہ علامہ نے یہ قطعہ 1904 میں کہا تھا، اس لیے بھاٹی دروازے میں موجود اپنے گھر سے شام کو اکتا کر دہلی دروازے کی جانب جانے والی بات ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے اس قطعے میں جو پندرہ اشعار پر مشتمل ہے ایک شعر علامہ نے اپنے دوست حکیم غلام نبی کے بارے میں کہا تھا مولوی محبوب عالم ایڈیٹر ''پیسہ اخبار'' نے اس قطعے کو اس لیے چھاپنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس قطعے میں حکیم صاحب کو کھری کھری سنائی گئی تھیں چنانچہ علامہ نے مولوی محبوب عالم کے حسب حال ایک اور شعر کا اضافہ کر دیا تھا جس کا پہلا مصرعہ:

آج کل لوگوں میں ہے انکار کی عادت بہت

''تبرکات اقبال'' کے ص 20 پر علامہ کی ایک رباعی شائع ہوئی ہے جو مولف کتاب ہذا کے بیان کے مطابق رسالہ ''زمانہ'' کان پور ماہ جون 1905 میں شائع ہوئی تھی یہ رباعی اگر چہ سرود رفتہ اور باقیات اقبال میں موجود نہیں، تاہم ''صحیفہ'' کے شمارہ 13 کے ص 70 پر شائع ہو چکی ہے تہام افادہ عام کے لیے اس رباعی کو یہاں درج کرنے میں کوئی ہرج نہیں، اس لیے کہ ''صحیفہ'' کا مذکورہ شمارہ ایک عام قاری کی دسترس سے باہر ہے اور تقریباً ناپید ہو چکا ہے رباعی یہ ہے:

واعظ تیرے فلسفے سے ہوں میں حیراں
منطق ہے تری نئی نیا طرز بیاں

---

6 ملاحظہ ہو ''نقوش'' لاہور، اقبال نمبر 2، ص 555 مضمون حکیم احمد شجاع

انساں کے واسطے ہے مذہب لیکن
تو کہتا ہے مذہب کے لیے ہے انساں

اس رباعی کے بعد علامہ کی ایک اور غزل شائع ہوئی ہے جسے مولف کتاب ''تبرکات اقبال'' نے کلیات اقبال، حیدر آباد کے ص 22 سے نقل کیا ہے مولف کے بیان کے مطابق یہ غزل سب سے پہلے مخزن لاہور کے شمارہ فروری 1902 میں شائع ہوئی تھی یہی اشعار اپنی ترمیم شدہ صورت میں ''کلیات اقبال'' (اردو) لاہور 1975 میں ص 113 پر پیام کے عنوان سے شائع ہوئے اس نظم کے چار اشعار جو کلیات اقبال اردو لاہور میں موجود نہیں ''روزگار فقیر'' جلد دوم کے ص 323 پر شائع ہو چکے ہیں ''روزگار فقیر'' جلد دوم، ''بانگ درا'' اور ''تبرکات اقبال'' کے موازنے سے اس غزل یا نظم کے ضمن میں جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

''تبرکات اقبال'' میں اس غزل کے کل بارہ اشعار ہیں جن میں سے چودہ اشعار وہی ہیں جو ''روزگار فقیر'' جلد دوم میں بھی شامل ہیں ''روزگار فقیر'' جلد دوم میں شامل شعر نمبر 4 , 3 , 2 , 1 تبرکات اقبال والی غزل میں بالترتیب نمبر 1,4,6,10 پر درج ہیں البتہ دو اختلافات ان متنوں میں بھی ہیں

''روزگار فقیر'' جلد دوم:

شعر 2، مصرعہ 2:

دنیا ادا پہ کر فدا عقبیٰ بہائے ناز دے

تبرکات اقبال: ناز کی جگہ ''راز'' ہے

''روزگار فقیر'' جلد دوم:

شعر 3، مصرعہ 1:

بکتی جہان میں نہیں ارزاں متاع کافری

''تبرکات اقبال'':

بکتا نہیں جہان میں ارزاں متاع کافری

باقی کے آٹھ اشعار میں چھ اشعار ترمیم و اضافے کے بعد نظم'' پیام مشمولہ'' بانگ درا'' کلیات اقبال اردو'' لاہور ص 113 میں شائع ہو چکے ہیں ایک شعر ہو بہو اسی نظم میں شائع ہوا، جب کہ ایک شعر'' بانگ درا'' مرتب کرتے وقت علامہ نے بالکل ترک کر دیا تھا یہ متروکہ شعر اس مضمون کے آخر میں نمبر 2 کے تحت پیش کیا گیا ہے جو شعر ہو بہو'' بانگ درا'' میں شامل ہے اس کا پہلا مصرع یہ ہے'' پیر مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر'' جن چھ اشعار میں ترمیم ہوئی تھی اس کا مطالعہ اس لیے دل چسپ ہے کہ اس سے علامہ کے تنقیدی شعور کا پتا چلتا ہے، اور فن کے متعلق ان کی معلومات اور رجحانات کی کیفیت سامنے آتی ہے'' بانگ درا'' اور'' تبرکات اقبال'' کے دونوں متن ساتھ ساتھ درج کیے جاتے ہیں:

1 ''تبرکات اقبال'' شعر نمبر 2:

قسمت سے ہو گیا ہے تو ذوق تپش سے آشنا

پروانہ وار بزم کو تعلیم سوز و ساز دے

''بانگ درا'' شعر نمبر 1:

عشق نے کر دیا تجھے ذوق تپش سے آشنا

بزم کو مثل شمع بزم حاصل سوز و ساز دے

2 ''تبرکات اقبال'' شعر نمبر 3:

اس عشق خانہ ساز کا شان کرم پہ ہے مدار
یاں قید کفر و دیں نہیں جس کو وہ بے نیاز دے

''بانگ درا'' شعر نمبر 2:

شان کرم پہ ہے مدار عشق گرہ کشائے کا
دیر و حرم کی قید کیا! جو کو وہ بے نیاز دے

3 ''تبرکات اقبال'' شعر نمبر 5 مصرع اول

مانند شمع نور کا ملتا نہیں لباس اسے

''بانگ درا'' شعر نمبر 3 مصرع اول

صورت شمع نور کو ملتی نہیں قبا اسے

4 ''تبرکات اقبال'' شعر نمبر 8، مصرع اول:

تارے میں وہ قمر میں وہ بجلی میں وہ شفق میں وہ

''بانگ درا'' شعر نمبر 4 مصرع اول

تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہ سحر میں وہ

5 ''تبرکات اقبال'' شعر نمبر 9

رفعت ہے عجز میں نہاں یعنی نیاز کر شعار
وہ محو ناز ہے اگر تو بھی جواب ناز دے

''بانگ درا'' شعر نمبر 5

عشق بلند بال ہے رسم و رہ نیاز سے
حسن ہے مست ناز اگر تو بھی جواب ناز دے

6 ''تبرکات اقبال''شعر نمبر 11 مصرع اول:

محفل جو تھی بدل گئی ساقی تجھے خبر بھی ہے

''بانگ درا''شعر نمبر ب 7:

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی

''تبرکات اقبال'' کے ص 23 پر ماہ جون 1907 کے ''گلدستہ سخن'' جلد نمبر 1 کے حوالے سے علامہ اقبال کی ایک غزل کا صرف وہ شعر درج کیا گیا ہے جو علامہ نے ایڈیٹر کو سنائی تھی یہ شعر اس مضمون کے آخر میں نمبر 3 کے تحت درج ہے اسی زمین میں ایک غزل ''باقیات اقبال'' طبع دوم کے ص 424 پر شائع ہوئی نو اشعار کی اس غزل میں یہ شعر موجود نہیں ہے اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ یہ مکمل غزل ابتدا میں کس پرچے میں شائع ہوئی تھی ''ماہ نو''اقبال نمبر 1977 میں بھی یہ شعر اسی طرح درج ہے

''تبرکات اقبال'' کے ص 24 پر جو اشعار ہیں ''ہمائے او سعادت ہو آشکار اپنا'' وہ ''سرود رفتہ'' اور ''باقیات اقبال'' میں تو موجود نہیں البتہ ''ماہ نو'' اقبال نمبر 1977 کے ص 356 پر موجود ہیں اس لیے ان کا اعادہ بھی فضول ہے۔

''تبرکات'' کے ص 25 پر ایک قطعہ شائع ہوا ہے جو رسالہ ''زمانہ'' کان پور ماہ جنوری 1915 میں کلام اقبال کے زیر عنوان شائع ہوا تھا یہی قطعہ ''سرود رفتہ'' کے ص 229 پر مزاحیات کے عنوان سے شائع ہوا ہے ''صحیفہ''شمارہ 13 کے ص 71 پر بھی مذکورہ مجلّے کے حوالے سے

---

7 یہ ایک ماہوار رسالہ تھا جسے حافظ سلطان احمد ترتیب دیتے تھے اور لاہور سے

شائع ہوتا تھا (بحوالہ ''ماہ نو'' اقبال نمبر 1977 ص 350)

یہ قطعہ شائع ہو چکا ہے اسی طرح ''ماہ نو'' کے اقبال نمبر 1977 کے ص 302 پر یہ قطعہ مضمون ''ایک جوئے کوہستان ۔۔۔ موج رواں'' عابد رضا بیدار میں شائع ہو چکا ہے، اگرچہ فرق یہ ہے کہ اس نمبر کے مطابق یہ قطعہ مذکورہ رسالے کے جنوری 1910 کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

صفحہ 26 پر تازہ کلام کے عنوان سے رسالہ ''مخزن'' ماہ فروری 1917 کے حوالے سے علامہ کے تین اشعار شائع ہوئے ہیں ان اشعار کے ساتھ ایڈیٹر کا ایک نوٹ بھی ہے کہ علامہ نے یہ اشعار 27 جنوری 1917 کو بزم اردو کے ایک اجلاس میں سنائے تھے یہ اشعار سرود رفتہ اور باقیات اقبال میں موجود نہیں البتہ روزگار فقیر جلد دوم کے ص 309-310 پر شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ ''ماہ نو'' اقبال نمبر 1977 میں بھی ص 356 پر یہی اشعار نمبر 19 کے ذیل میں دیکھے جا سکتے ہیں اس لیے ان اشعار کا یہاں اعادہ بے کار ہوگا۔

''تبرکات اقبال'' کے ص 27 پر ''رشحات اقبال'' کے زیر عنوان علامہ کے تین فارسی اشعار درج ہیں جو اس کتاب کے مولف کے مطابق رسالہ ''ذخیرہ'' حیدر آباد دکن ماہ اگست 1917 میں شائع ہوئے تھے ان اشعار کا شان نزول ایک مجموعہ نظم ''پر شکستہ'' (Broken Wing) تھا جس کی مصنفہ سروجنی نائیڈو تھیں اور جو 1917 میں شائع ہوئے تھے یہی اشعار باقیات اقبال طبع دوم کے ص 276 میں رسالہ مرقع لکھنو میں شائع ہوئے تھے اس بظاہر اختلاف میں تناقص اور توافق دونوں کا امکان ہے اور تصدیق اصل رسالہ دیکھے بغیر ناممکن ہے۔ ان

اشعار کا یہاں بیان فضول ہے تاہم ''باقیات اقبال'' اور ''تبرکات اقبال'' کے متنوں میں ایک معمولی سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ دوسرے شعر میں شبنم اور لالہ کے درمیان ''و'' مولف کتاب یا کاتب سے چھوٹ گیا ہے۔

---

8 سال اشاعت کے تعین میں یہ اختلاف کاتب کی مہربانیوں کے طفیل پیدا ہوا زیادہ قرین قیاس وہ تاریخ ہے جو ''تبرکات اقبال'' میں درج ہے

''تبرکات اقبال'' کے ص 28 تا 30 پر علامہ کی ایک طویل نظم موجود ہے جس کا عنوان جنگ اور اہل ہند ہے یہ نظم ابتدا میں رسالہ ''زمانہ'' کان پور کے شمارہ مئی 1918 میں شائع ہوئی تھی یہی نظم ''پنجاب کا جواب'' کے عنوان سے ''سرود رفتہ'' کے ص 55 پر بھی شائع ہوئی ہے اور اس کی ذیل میں لکھا ہے کہ یہ نظم ''وکیل'' امرتسر میں 11 مئی 1918 کو شائع ہوئی تھی چونکہ یہ انگریزی راج کی مدح میں لکھی گئی تھی اس لیے انگریز دوست اخباروں میں بعد میں بھی یہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی 28 جولائی 1918 کے ستارہ صبح میں بھی یہ شائع ہوئی صحیفہ شمارہ 13 ص 72 کے مطابق یہی نظم اعلیٰ حضرت **ملک** معظم کے پیغام کا جواب پنجاب کی طرف سے کے عنوان سے 28 جولائی 1918 کے اخبار ''حق'' جلد اول شمارہ 2 میں بھی شائع ہوئی تھی وار کانفرنس کی تاریخ انعقاد 27 اپریل 1918 کے دبدبہ سکندری رام پور میں ملتا ہے، لہٰذا یہ نظم اسی درمیانی عرصے میں کسی وقت تصنیف کی گئی ہوگی نو بندوں کی اس نظم کے ہر بند میں تین اشعار ہیں سرود رفتہ اور تبرکات کے متنوں میں اختلاف کی نشان دہی ہی یہاں کافی ہے:

تبرکات اقبال میں

بند2شعر 1 مصرع 2:

یہ روز جنگ توز جگر سوز سینہ ور

سرودرفتہ میں

''یہ روز'' کی جگہ بہروز ہے

بند5، شعر 2، مصرع 1:

طفل صغیر بھی مرے جنگاہ میں ہے مرد

سرودرفتہ میں

''ہے'' کی جگہ ''ہیں''

بند7، شعر 2، مصرع 2:

پردے میں موت کی ہے نہاں زندگی کا راز

سرودرفتہ میں

''کی'' کی جگہ ''کے'' ہے

''ذکر اقبال'' میں اس مسدس کے صرف دو بند درج کیے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ نواب ذوالفقار کے اصرار پر علامہ کو یہ فرمائشی نظم لکھنا پڑی مذکورہ مشاعرہ یونیورسٹی ہال لاہور میں منعقد ہوا تھا جہاں علامہ نے یہ نظم سنائی تھی۔

ص 31 اور ص 32 پر علامہ کے دو اشعار شائع ہوئے ہیں جو ''ذکر اقبال'' کے ص 225-266 اور ص 229 پر درج ہیں اس لیے ان کا یہاں اعادہ فضول ہے۔

''تبرکات اقبال'' کے صفحہ 33 پر جو قطعہ نواب وقار الملک مرحوم کی تاریخ وفات کے سلسلے میں درج ہے وہ ''سرود رفتہ'' میں ص 224 پر شائع ہو چکا ہے ''تبرکات اقبال'' کے مولف کے مطابق یہ قطعہ سب سے پہلے ''علی گڑھ میگزین'' (1955-1953) کے ص 134 پر شائع ہوا تھا یہی قطعہ ''صحیفہ'' کے شمارہ 13 کے ص 71 پر بھی شائع ہو چکا ہے ان دونوں متنوں میں صرف ایک اختلاف ہے اور وہ یہ کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''سرود رفتہ'' میں ''جناں'' لکھا ہے اور ''صحیفہ'' میں ''خباں'' درج ہے۔

دوسرا قطعہ جو مذکورہ کتاب کے ص 34 پر درج ہے اور جسٹس شاہ دین ہمایوں مرحوم کی وفات پر لکھا گیا تھا ''سرود رفتہ'' کے ص 218 پر اور ''باقیات اقبال'' طبع دوم کے ص 488 پر موجود ہے، لیکن ان کے متنوں میں بھی اختلافات ہیں ''تبرکات اقبال'' میں دوسرا مصرع اس طرح درج ہے: ''زہشت خلد ندریم رسید المومن'' جب کہ ''سرود رفتہ'' میں یہی مصرع اس طرح درج ہے ''زہشت خلد ندایم رسید المومن'' اور ''باقیات'' میں زہشت کو ''زہست'' لکھا گیا ہے۔

یہ قطعہ ابتدا میں رسالہ ''ہمایوں'' لاہور کے جوبلی نمبر 1947 میں شائع ہوا تھا ''تبرکات اقبال'' ہی میں اس شعر کے ساتھ ایک اور شعر بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے

دوش بر خاک ہمایوں بلبلے نالید و گفت
اندریں ویرانہ ماہم آشنائے داشتیم

''تبرکات اقبال'' کے ص 45 پر جو کلام ایک وید منتر کے ترجمے کے طور پر درج

ہے سب سے پہلے رسالہ ''زمانہ'' کان پور کی اشاعت اپریل 1919 میں شائع ہوا تھا یہی قطعہ ''باقیات اقبال'' طبع دوم کے ص 221 پر ''صحیفہ'' کے شمارہ 13 کے ص 74 پر اور ''روزگار فقیر'' جلد دوم کے ص 318 پر شائع ہو چکا ہے ''البتہ صحیفہ'' میں شائع شدہ اس نظم کا عنوان ''محبت کا ثمر'' بتایا گیا ہے۔ اشعار ترک کیے جاتے ہیں۔

ص 39 پر علامہ کا ایک غیر مطبوعہ قطعہ شائع ہوا ہے یہ قطعہ علامہ کے سری نگر کے سفر کی یادگار ہے اور ڈل جھیل کے بارے میں ہے یہی قطعہ ''سرود رفتہ'' کے ص 211 پر اور رسالہ ''اقبال'' اکتوبر 1964 میں شائع ہو چکا ہے اس رسالے کے مطابق یہ قطعہ سب سے پہلے رسالہ ''آج کل'' دہلی یکم اکتوبر 1945 کی اشاعت میں شامل کیا گیا تھا ''تبرکات اقبال'' اور ''سرود رفتہ'' کے متن میں البتہ ایک اختلاف پایا جاتا ہے ''تبرکات'' میں لفظ ''ہنگام'' ہے اور ''سرود رفتہ'' میں ''بہنگام'' مرقوم ہے چونکہ یہ قطعہ ''تبرکات اقبال'' کے علاوہ دوسرے مجموعوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اس لیے اس کا یہاں اعادہ بے کار ہے۔ البتہ اس قطعے کے پس منظر کے سلسلے میں جو طویل نوٹ ایڈیٹر نے دیا ہے وہ پڑھنے اور نقل کرنے کے لائق ہے وہ نوٹ یہ ہے:

''اگست 1921 وہ تاریخی مہینہ ہے جب حضرت اقبال آخری بار اپنے وطن مالوف کشمیر میں تشریف لائے اور اسی سرزمین کا درد بھرے دل سے مطالعہ کیا جس کے تاثرات ان کے کلام مبارک میں جا بجا پائے جاتے ہیں مگر اسی کے پہلو میں آپ نے فضائے کشمیر کے متعلق جہانگیر کے زاویہ نگاہ کو نظر انداز نہ کیا۔ ان کے

مشاہدے کا ماحصل یہ تھا کہ معاشرتی لحاظ سے اس خطہ کے جہنم ہونے میں شک نہیں مگر مناظر فطرت کی فراوانی اور آب وہوا کی شادابی کی رو سے جس نے کہا خوب کہا کہ زمین پر اگر فردوس ہے تو یہی خطہ کشمیر ہے ان نا قابل فراموش ایام میں ایک دن جناب مولوی احمد دین مرحوم وکیل لاہور، منشی نورالٰہی مرحوم (میرے ازلی شریک کار) اور اس خاکسار نے بڑی جدو جہد کے بعد حضرت والا کو جھیل ڈل کی سیر پر مجبور کیا۔ جنہیں آنحضرت کا شرف وقرب حاصل ہے ان پر مخفی نہیں کہ آپ کو کسی جگہ تشریف ارزانی فرمانے پر آمادہ کرنا کس قدر مشکل مہم تھی موٹر کے ذریعہ نشاط باغ جا کر ڈل کی بہار دیکھنا آپ نے مصنوعی وخلاف فطرت قرار دیا اور ہم تینوں آنحضرت کے ساتھ شکارے (ایک ہلکی کشتی) میں بیٹھ کر ڈال کی طرف

---

9 یہ نوٹ محمد عمر کی تحریر میں ہے جو بالعموم محمد عمر نورالٰہی کے مشترکہ نام سے اپنی تحریر شائع کراتے تھے

روانہ ہوئے شالا مار نسیم اور نشاط باغ کو پسند کیا اور زہد شکن کا خطاب عطا کیا''

''کیا جامع تعریف ہے! واپس ہوئے تو دونوں وقت مل رہے تھے آفتاب آخر منزل پر پہنچ رہا تھا، شفق پھول رہی تھی اور یہ منظر سالم کا سالم ڈل کے شفاف پانی میں تیر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک صحیفہ قدرت کے اس سنہری ورق کا خاموشی سے مطالعہ کرنے کے بعد خلاق معانی بحر فکر میں غوطہ زن ہوئے اور دو در شہوار نکل لائے جناب کا ارادہ انہیں ایک نظم میں منسلک کرنے کا تھا، مگر طبیعت کا رجحان کسی اور طرف ہو گیا اور یہ دو اشعار میرے پاس پڑے رہے جو امانت تھے اب میں آج کل رسالہ کے حوالے کرتا ہوں''

''تبرکات اقبال'' کے ص 40 پر علامہ کی لدھیانہ والی بیگم 'مختار بیگم'' کی تاریخ وفات نظم کی گئی ہے جس کی قبر لدھیانہ میں ہی ہے یہ قطعہ'' ذکر اقبال'' کے ص 121 اور ''سرود رفتہ'' کے ص 219 پر درج ہے البتہ ''ذکر اقبال'' میں اس قطعے کا عنوان یوں ہے'' المطعون شہید'' (حدیث) اسی طرح سرود رفتہ میں 2 اکتوبر 1924 کے مطابق جو ہجری تاریخ دی گئی ہے وہ غلط ہے صحیح تاریخ ہجری 1343 ہے نہ کہ 1342 ''سرود رفتہ'' میں تو اس امر کی نشان دہی بھی نہیں کی گئی کہ کس مصرعے سے مرحومہ کی تاریخ وفات نکلتی ہے دراصل آخری مصرع پورے کا پورا مادہ تاریخ ہے۔

صفحہ 41 پر ایک دوسرا قطعہ وفات ہے جو پروفیسر ای جی براؤن کا ہے۔ پروفیسر موصوف کا انتقال 1926 میں ہوا یہ قطعہ'' مکاتیب اقبال'' حصہ دوم کے ص 13 سے اخذ کیا گیا ہے ''سرود رفتہ'' کے ص 219 پر بھی یہ قطعہ شائع ہو چکا ہے اس لیے اعادہ فضول ہے مولانا گرامی کی وفات پر چند اشعار ''تبرکات اقبال'' کے ص 43 پر شائع ہوئے مولانا غلام قادر گرامی 30 مئی 1947 کو فوت ہوئے۔ پانچ اشعار کا یہی قطعہ سرود رفتہ کے ص 193 پر شائع ہو چکا ہے اس قطعہ کے کسی مصرعے یا لفظ سے تاریخ بر آمد نہیں ہوتی۔

ص 42 پر'' شکست سومنات'' کے عنوان سے جو دو فارسی اشعار رسالہ'' سہیل'' علی گڑھ ماہ دسمبر 1926 میں شائع ہوئے ہیں علامہ کے کسی با قاعدہ'' باقیات'' میں شائع نہیں ہوئے تاہم ''صحیفہ'' شمارہ 13 کے ص 75 پر یہ اشعار شائع ہو چکے ہیں افادہ عام کی خاطر یہ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

پیش ما آئی دم سروے دل گرمے بیار
جنبش اندر تست اندر نغمہ داؤد نے

کافری را پختہ تر سازد شکست سومنات
رونق بت خانہ بے ہنگامہ محمود نے

اب ان اشعار کا حال جو "تبرکات اقبال" میں ص 44 پر شائع ہوئے یہ اشعار حکیم عبدالکریم ثمر نے اچھرہ لاہور سے مولف کتاب کو بھیجے تھے اور بعد میں رسالہ "شاعر" آگرہ ماہ جنوری فروری 1945 میں شائع ہوئے یہ اشعار اور ان کے ساتھ نوٹ درج کیا جاتا ہے:

"غالباً 1929 کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا اسی نشست میں میری نظم بھی تھی علامہ مغفور جلسہ کے صدر تھے جلسہ میں کسی خوش الحان نعت خوان نے رضا صاحب کی ایک نظم شروع کی جس کا مطلع تھا رضائے خدا ہے رضائے محمد نظم کے بعد علامہ مرحوم اپنی صدارتی تقریر کے لیے اٹھے اور ارتجالاً ذیل کے دو اشعار پڑھے:"

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد

تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد

یہی اشعار اس جلسہ کے حاصل تھے ۔۔۔۔ عبدالکریم ثمر

یہی قطعہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ "ماہ نو" اقبال نمبر 1977 کے

ص356 اور ''اوراق گم گشتہ'' میں شائع ہو چکا ہے اس قطعے کو یہاں درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ موازنے سے ان تینوں ماخذات کے متن کی جو صورت سامنے آتی ہے اسے حوالہ تحریر کیا جائے ''ماہ نو'' کے

10 اس رسالے کے ایڈیٹر رشید احمد صدیقی تھے

11 ''صحیفہ'' شمارہ 13 ص 75 پر یہ لفظ ''سر دے'' ہے

مذکورہ نمبر میں یہ قطعہ یوں درج ہے:

تعجب تو یہ ہے کہ نت کی بستی
بنائے خدا اور بسائے محمد
تماشا تو دیکھو کہ نار جہنم
لگائے خدا اور بجھائے محمد

''ماہ نو'' میں ان اشعار کی وضاحت کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''یہ اشعار خورشید الحسن کی بیاض سے نقل کیے گئے'' اس لئے ان کی صحت یا عدم صحت مشکوک ہے'' اوراق گم گشتہ'' میں یہ قطعہ اسی ترتیب سے شائع ہوا ہے لیکن پہلا اور تیسرا مصرعہ یوں درج ہے:

تماشا تو دیکھو کہ فردوس اعلیٰ
تعجب تو یہ ہے کہ دوزخ کی آتش

ص45، ص46 اور ص 47 پر علامہ کے تین ایسے اشعار ہیں جو'' ماہ نو'' کراچی بابت اپریل 1949 ''ذکر اقبال'' کے ص 195 اور ''مکاتیب اقبال'' جلد اول کے ص 329 پر شائع ہو چکے ہیں ''ماہ نو'' میں شائع شدہ یہ شعر اب زبان

زد خاص و عام ہو چکا ہے:

عالم جوش جنون میں ہے روا کیا کیا کچھ
کہیے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

اب ظریفانہ کلام کا تذکرہ جو فارسی اشعار کی صورت میں ''تبرکات اقبال'' کے ص 48 پر شائع ہو چکا ہے پانچ اشعار کا یہ قطعہ ''سرود رفتہ'' کے ص 207 پر موجود ہے اس لیے یہاں اس کا اعادہ بے معنی ہو گا ''تبرکات اقبال'' اور ''سرود رفتہ'' کے متن میں بھی تین اختلافات پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ طوالت کے خوف سے نہیں کیا جا رہا تاہم اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ ''اوراق گم گشتہ'' اور ''تبرکات اقبال'' کے متن یکساں ہیں۔

---

12 یہی قطعہ ''اقبال ریویو'' جنوری 1923 میں شائع ہوا جس میں ایک دو الفاظ میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے ''اوراق گم گشتہ'' کے ص 447 پر بھی یہ قطعہ درج ہے۔ اس کے متن میں بھی دو اختلافات پائے جاتے ہیں۔

ص 49 تا ص 58 پر وہ کلام شائع ہوا ہے جو مولوی عبدالرحمن طارق بی اے کی کتاب ''جہان اقبال'' سے ماخوذ ہے اصل کتاب میں ایک قصیدہ معراجیہ، آٹھ غزلیں، ایک قطعہ اور پانچ رباعیاں درج ہیں جن میں سے دو غزلیں، ایک قطعہ، اور چار رباعیاں تو ''کلیات اقبال اردو'' حیدر آباد میں موجود تھیں۔ اس لیے مولف ''تبرکات اقبال'' نے انہیں درخور اعتنا نہیں جانا تاہم باقی ایک قصیدہ معراجیہ، چھ غزلوں اور ایک رباعی میں سے ایک غزل اور ایک رباعی نہ جانے کیوں ''تبرکات'' میں شائع نہ ہو سکیں۔ باقی ایک قصیدہ معراجیہ اور پانچ غزلوں

میں سے بھی پیشتر غزلیں متروکہ کلام کے دوسرے مجموعوں مثلاً ''سرودِ رفتہ'' اور ''باقیاتِ اقبال'' وغیرہ میں شامل ہو چکی ہیں اور خود کتاب ''جہانِ اقبال'' نایاب بھی نہیں ہے اس لیے یہاں اس کلام کو درج نہیں کیا جا رہا۔

''تبرکاتِ اقبال'' میں علامہ کے غیر متروکہ کلام کی آخری کڑی وہ نظم ہے جو علامہ نے منشی محبوب عالم کے یورپ کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے 1905 میں لکھی تھی اور بعد میں جب موصوف نے 1908 میں اپنا سفر نامہ شائع کیا تو اس میں شائع ہوئی۔ یہ نظم ''سرودِ رفتہ'' میں بھی ص 83 پر شائع ہو چکی ہے ''سرودِ رفتہ'' اور ''تبرکاتِ اقبال'' میں متن کا صرف ایک اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ''سرودِ رفتہ'' کے پہلے بند کے آخری شعر میں ہے ''سرودِ رفتہ'' میں یہ شعر اس طرح ہے:

یہ سفر آپ کو مبارک ہو
یہ حضر آپ کو مبارک ہو

جب کہ ''تبرکاتِ اقبال'' میں یہ شعر یوں درج ہے:

یہ حضر آپ کو مبارک ہو
یہ سفر آپ کو مبارک ہو

اس معمولی سے اختلاف کے باوصف ایک دل چسپ غلطی مولف ''تبرکاتِ اقبال'' سے بھی ہوئی ہے کہ وہ نظم میں پورا ایک شعر چھوڑ گئے ہیں وہ شعر یہ ہے:

ہو نہ محبوب سے جدا کوئی
اے رگِ جانِ عالم آرائی

''تبرکاتِ اقبال'' کی مختلف نظموں، غزلوں، قطعات اور اشعار کا تذکرہ تو ختم

ہوا۔ ذیل میں صرف وہی کلام درج کیا جاتا ہے جو ''روزگار فقیر'' جلد دوم، ''سرود رفتہ''۔ ''باقیات اقبال''، ''اوراق گم گشتہ''، ''ذکر اقبال'' اور ''مکاتیب اقبال'' میں موجود نہیں۔ گویا اب یہی وہ مختصر سا کلام ہے جو کلام اقبال کے خوشہ چینوں کی دست برد سے محفوظ رہا ہے۔ اس لیے اب اسی کلام کو زیر بحث کتاب میں ''تبرکات اقبال'' سمجھنا چاہیے۔

(1)

علامہ کی غیر معروف ابتدائی غزل

عرض بحضور سرور کائنات ؐ

(پروفیسری کے زمانے میں یورپ جانے سے قبل کہی گئی مندرجہ اخبار ''نمک پاش''

کراچی، جلد نمبر 1، شمارہ 3، 7 مئی 1950)

اک مصیبت میں ہے اک تو ہی سہارا اپنا

تنگ آ کر لب فریاد ہوا وا اپنا

اسی حالت میں بھی امید نہ ٹوٹی اپنی

نام لیوا ہوں ترا تجھ پہ ہے دعویٰ اپنا

فرقہ بندی سے کیا راہ نمازی نے خراب

ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

تیری سرکار میں اپنوں کا گلہ کیا کیجئے

ہو ہی جاتا ہے مصیبت میں پرایا اپنا

دیکھ او نوح کی کشتی کے بچانے والے

آیا گرداب حوادث میں سفینا اپنا

ہم نے سو راہیں اخوت کی نکالیں لیکن

نہ تو اپنا ہوا اپنا نہ پرایا اپنا

ہاں برس ابر کرم دیر نہیں ہے اچھی

کہ نہ ہونے کے برابر ہوا ہونا اپنا

---

13 اس مصرعے میں جھول ہے جو کتابت کی کسی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے، شاید پہلے ''اک'' کی جگہ لفظ ''اس'' ہو

لطف یہ ہے کہ پھلے قوم کی کھیتی اس سے

ورنہ ہونے کو تو آنسو بھی ہے دریا اپنا

یوں تو پوشیدہ نہ تھی تجھ سے ہماری حالت

ہم نے گھبرا کے مگر تذکرہ چھیڑا اپنا

زندگی تلخ ہے اے فخر براہیم اپنی

کر دعا حق سے کہ مشکل ہوا جینا اپنا

داستان درد کی لمبی ہے کہیں کیا تجھ سے

ہے ضعیفوں کے سہارے کی تمنا تجھ سے

(2)

''روزگار فقیر'' ص 322 اور ''بانگ درا'' ص 113 کے تقابلی مطالعے کے

بعد صرف یہی ایک شعر ایسا ہے جو ''تبرکات اقبال'' کے علاوہ کہیں اور موجود نہیں:

پابند یک صنم نہ ہو ہر لحظہ تو نیاز رہ
پوجا کر اس روش سے تو پیرہن نماز دے

(3)

فتنے اٹھتے ہیں تیرے کوچے سے
یہ زمیں آسمان ہے گویا

''تبرکات اقبال'' میں صرف ایک نظم ہے جس کا ہم نے اب تک سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ وہ نظم ص 36 پر ''بے سلطنت قوم یا جسم بے روح'' کے عنوان سے شامل ہے اس نظم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ رسالہ ''زمانہ'' کان پور ماہ جولائی 1920 میں شائع ہوئی تھی لیکن یہ نظم ایک غلط فہمی کی بنا پر علامہ کے کھاتے میں ڈال دی گئی، حالانکہ یہ نظم اکبر الہ آبادی کی ہے بزم اکبر کراچی نے ''حیات اکبر'' کے علاوہ ایک اور کتاب ''کلیات اکبر'' بھی شائع کی تھی اس کے ص 203 پر متذکرہ بالا نظم کے اشعار درج ہیں ''کلیات

---

14 مذکورہ غزل میں یہ شعر ساتویں نمبر پر ہے

اکبر'' میں ان اشعار کا پایا جانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ اشعار علامہ سے غلط طور پر منسوب کیے گئے تھے اس لیے ہم نے بھی انہیں اپنے تذکرے سے حذف کر دیا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ''باقیات اقبال'' طبع دوم کے مولفین نے اسی رسالے کے حوالے سے بے دھڑک شائع کر دیا اور تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

نقل در نقل سے اعجاز کی بدولت اقبال کے متروکہ کلام کے اس مجموعے (''باقیات اقبال'') میں بے شمار اغلاط راہ پا گئیں ہیں (جن پر آئندہ کسی نشست میں بحث کی جائے گی) ضرورت اس بات کی ہے کہ کلام اقبال کو کاروباری ذہنیت کے بے ذوق پبلشروں اور کم سواد کاتبوں کی سفاکی سے بچایا جائے اور ایک خدمت کے جذبے کے زیر اثر علامہ کا تمام متروکہ اور غیر مطبوعہ کلام ایک جلد میں اس طرح سمیٹا جائے کہ علامہ کے ذہنی ارتقا کی کڑیاں واضح ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ اس طرح کے کلام کے موجودہ متنوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں انہیں ان رسائل سے موازنہ کرنے کے بعد درست کیا جائے جہاں یہ سب سے پہلے شائع ہوا تھا علامہ کے ذہنی ارتقا کی سرگزشت کو سمجھنے اور حیات اقبال کی مختلف کڑیوں کو ملانے، علامہ کے تنقیدی شعور کے نئے گوشوں کی دریافت، اور علامہ کی ایک مکمل اور جامع سوانح عمری کی تالیف میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت محتاج بیان نہیں ہے، اس لیے یہ کام جلد شروع ہونا چاہیے۔ اس منصوبے سے دل چسپی لینے والے احباب کے لیے یہ خبر دل چسپی کا باعث ہو گی کہ میں نے اس موضوع پر کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اور اب تک اس ضمن میں تمام ابتدائی کام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا اب متروکات اقبال کی ایک مکمل کلیات ''میراث اقبال'' کی اشاعت اپنے صحیح ترین متن اور مکمل پس منظر کے ساتھ زیادہ دور کی بات نہیں رہی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

☆☆☆☆☆

کتابیات اقبال

رفیع الدین ہاشمی

کتابیات اور اشاریہ سازی مسلمانوں کے لئے کوئی نیا ادبی عمل نہیں ہے اس روایت کی تشکیل و تعمیر میں مسلمان علما و فضلا کی کارگزاری کا نقش آج تک مسلم ہے صحرائے عرب سے نکل کر دیگر مما لک میں جب مادی اور روحانی فیوض و برکات کو عام کیا گیا تو قرآن کریم کے مطالعے سے مذہبی علوم کا ایک عظیم الشان شاخ در شاخ رقبہ سامنے آیا جس میں قرآن پاک کے اشاریے اور موضوع وار مجموعے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اردو میں جن اکابر کی کتابیات پر توجہ رہی ہے ان میں غالب اور اقبال سب سے زیادہ خوش نصیب تھے ان کے علم و فن کے بارے میں کتابوں اور مقالات کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اقبال کو ایک ادیب اور شاعر کے علاوہ مفکر اور راہ نما کی حیثیت بھی حاصل ہے۔اس لیے ان کے بارے میں مقالات اور کتاب کی تعداد غالب کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب کی اس کتابیات میں اقبالپر پورے ادب کا نئے سرے سے جائزہ لیا گیا ہے اور کتابیات کی حدود کو کسی قدر معین کر کے زیادہ سے زیادہ مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے مجموعی اعتبار سے اس کا موضوع علامہ اقبال کی کتابوں کے علاوہ وہ جملہ کتابیں ہیں جو کسی بھی زبان میں اقبال پر تحریر

ہوئیں۔

یہ کتاب ایک لحاظ سے وضاحتی فہرست بھی ہے اس میں صرف کتاب کا نام، مصنف، پریس یا ناشر اور تعداد صفحات ہی نہیں بلکہ ہر کتاب کے محتویات کو بھی مجمل طور پر درج کیا گیا ہے۔

صفحات 392+45 قیمت 40 روپے

اقبال اکادمی پاکستان

116 میکلوڈ روڈ لاہور

☆☆☆☆☆

تازہ بتازہ نو بنو تراکیب اقبالؒ

محمد ریاض

کلام اقبال کے مطالعے کے دوران تازہ بتازہ نو بنو تراکیب پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے یہ حقیقت ہے کہ علامہ مرحوم نے الفاظ کو نئے معانی دینے کے علاوہ معتد بہ حد تک ترکیب سازی بھی کی ہے، مگر چونکہ ان کی وضع کردہ بعض تراکیب کو استعمال ہوتے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے، آج اس امر پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے کہ خودی، بے خودی، خود پرست اور خود شکن قسم کی تراکیب کا واضع کون تھا۔ تراکیب اقبال ایک وسیع موضوع ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک مقالے میں اس کے صرف بعض پہلوؤں کی طرف ہی اشارے کیے جا سکتے ہیں۔ اقبال نے ایک موقع پر لکھا تھا کہ زبانوں کے ارتقا کے لیے ضروری ہے کہ وہ نئے خیالات سے مالا مال ہوتی رہیں ان کے نزدیک جہان نو بھی وہی ہے جو افکار نو سے بہرہ مند ہو:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

1 یہ عنوانی تراکیب اقبال سے ہی ماخوذ ہیں ملاحظہ ہو ''جاوید نامہ'' تمہید: ''زمزمہ انجم''

در رہ دوست جلوہ ہاست تازہ بہ تازہ نو بنو

صاحب شوق و آرزو دل نہ دہد بہ بکلیات

2 شیخ عطاء اللہ مرتب، ''اقبال نامہ'' (لاہور: شیخ محمد اشرف، 1951) 85/2 (خط بنام مولوی عبدالحق)

3 ''ضرب کلیم'' قطعہ ''تخلیق''

اقبال نے اردو اور فارسی زبانوں کو جن افکار نو سے مالا مال کیا، ان کی کیفیت تا ابد بیان ہوتی رہے گی، مگر یہاں ہماری توجہ ان کی بعض تراکیب کی طرف مبذول ہو رہی ہے جنہیں اپنے خداداد مذاق سلیم اور زبان شناسی کی استعداد سے انہوں نے وضع کیا اور نہایت چابک دستی کے ساتھ اپنے کلام میں استعمال فرمایا ہے۔

جہاں تک راقم الحروف کو علم ہے، تراکیب اقبال کے بارے میں ابھی کوئی سیر حاصل بحث نہیں کی گئی، مگر ایک دو ضمنی اشارے ضرور ملتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے اپنے ایک مقالے ''اقبال کی زبان'' میں اقبال پر فارسی زبان کے ایک عالم اور زبان دان کی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے ''زبور عجم'' (غزلیات) کی چند تازہ تراکیب کی مثال دی تھی طائر پیش رس، زادہ باغ و راغ، حوصلہ زمزمہ پرداز، آہ خانہ زاد، گرہ خوردہ نگاہ، شعلہ نم ناک، آئندہ نگاری، حاضر آرائی، تہی ادراکی، تازہ کاری، گراں رکابی، افسونی فرنگ، یہ ایک درجن تراکیب مشتے از خروارے کا مصداق رکھتی ہیں کیونکہ کتاب مذکور میں کئی نئی تراکیب دیکھی جا سکتی ہیں، جیسے جوانان نو نیاز، مستی شوق، غنچہ دل گرفتہ، نشتر چنگیزی، جہان تشنہ میر، نگاہ سرمہ سا، مرد ادا دان، غلط ریز، اشارتہائے پنہاں، متاع ناروان، دل ہزار پارہ، شکوہ بے نیازی، قدر انداز، خانہ بر انداز، فسون کاری دل، فاختہ کہن صغیر، بیچاک

ہست و بود، فکر گرہ کشا، نگاہ نارسا، فروغ کار، آنسوے افلاک، پیانہ ادراک، گراں خیز، غمزہ چالاک، حیدری، خیبری، نقش پرداز، چشمک محرمانہ، داغ نارسائی، کم عیار، دیریاب، بیگانہ اندیش، دیدہ تر، بینائے کور، بے مدار، نو بنو، نفس شماری، پختہ ترک، حسن بے پایاں، دامان ہستی، چمن سرا، دانائے راز، کراری، تماشا پسند بسیاری،

---

4 شیخ عطاء اللہ، مرتب، کتاب مذکورہ 52/1 (خط بنام سردار عبدالرب نشتر)

5 ''بحث و نظر'' لاہور (س ن)؟ نیز ماہ نامہ ''ماہ نو'' اقبال نمبر، کراچی، اپریل 1970

گہر ہائے نغمہ، مئے جوانہ، رقیب خام سودا، انجمن شوق، نرگس نگراں، آہ اثر باختہ، دارائے جہاں، پرویزی افرنگ، چنگیزی افرنگ، بے سپر، گستہ نفس، شبستان وجود، غلط خرامی، دانائے فرنگ، جوئے کہکشاں، مرد خود آگاہ، دلیل کارواں (قافلہ سالار) مہر غزنوی، دردایازی، زور بازوئے حیدرؓ، ادراک رازیؒ، کار نفس، ہنگامہ افرنگ، خاوریاں، تو رانیاں شہر آشوب، صورت گری، دانش مغربیاں، تن فراموش، کم روائی، کافر ماجرائی، چراغ لالہ، بلند بال، انجمن آرا، نگاہ دار خود، بیاض امکان اور نقش نوی، وغیرہ جن ای تراکیب کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے ان میں سے بعض اقبال کی ان کتابوں میں بھی ملتی ہیں جو ''زبور عجم'' سے قبل شائع ہوئی ہیں، نیز بعض پیشرو شعراو ادبا کے ہاں بھی، مگر اقبال کا استعمال خاص ہے، اور ان کی معنی آفرینی ایسی ہے کہ مستعمل تراکیب بھی (گو ان کی تعداد قلیل ہے) نئی شان سے جلوہ گر ہوئی ہیں۔

علامہ مرحوم کی ترکیب سازانہ صلاحیت کے بارے میں دوسرا اشارہ ایک ایرانی ناقد، ڈاکٹر احمد علی رجائی بخارائی، نے کیا ہے۔ انہوں نے اقبال کے مندرجہ ذیل شعر کی توضیح میں ایک مبسوط مقالہ لکھا اور شعر کے مصرع ثانی میں مستعمل تین تراکیب کی دل آویزی اور معنی خیزی پر خاطر خواہ بحث کی ہے:

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور

خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

منقولہ بیت ''پیام مشرق'' میں سے ہے مذکورہ مقالہ نگار نے ''ہنر شاعری اقبال'' کے عنوان سے ایک دوسرے مضمون میں لکھا ہے کہ

6 یعنی ''اسرار خودی''، ''رموز بے خودی''، ''پیام مشرق'' اور ''بانگ درا''

7 ''مجلّہ دانش کدہ ادبیات''، مشہد یونی ورسٹی، اپریل 1965

8 نظم ''تسخیر فطرت'' (میلاد آدم)

9 ''مجلّہ دانش کدہ ادبیات'' مشہد یونی ورسٹی، اپریل 1967

اقبال نے فارسی میں نئی تراکیب وضع کرنے کی غیر معمولی صلاحیت دکھائی ہے ان کے بقول، مثال کے طور پر، کتاب ''پیام مشرق'' کے ہر چوتھے صفحے پر اوسطاً ایک نئی ترکیب مل جاتی ہے گویا اس کتاب میں پچھتر نئی تراکیب کی موجودگی کا امکان ہے، مگر ناقد نے صرف پینتیس مثالیں نقل کی ہیں: رنگین بیاں، بے چگوں، پختہ کار، نرم خیز، حرف باز، بیگانہ شو، مژگان گل، سکندر فطرت، کم نظر، چمن زار، خلوت آباد، صنم کدہ، جادو نوا، شعلہ زار، آئینہ تاب، آتش گزار، کلاں گیر، پختہ تدبیر، ہمہ گیر، صید بند، رمز آشنا، زخمہ ور، ادا فہم، خود گیر اور باختہ رنگ ان تراکیب میں

سے بعض برصغیر پاکستان و ہند کے شعرا و ادبا کے ہاں مستعمل نظر آتی ہیں، مگر ایرانیوں کے ہاں یہ تعبیرات اور الفاظ نئے ہیں لیکن ''پیام مشرق'' میں نئی تراکیب ڈاکٹر رجائی بخارائی کے اندازے سے بھی کہیں زیادہ ہیں راقم السطور سر دست صرف مندرجہ ذیل منفرد الفاظ اور مرکب تراکیب کی طرف توجہ دلا رہا ہے نوائے سینہ تاب، حدیث دلبری، دوں پرور، سست رگ، خودفروش، قلزم شگاف، نارائی، پاچراغ، تبسم ریز، آزر نہاد، آزار گوش، شعلہ نوش، چمنستان، بستان سرا، مے برنا، ورطہ بود و عدم، خوبان بے پروا، سوز نا تمام، ذوق مجبوری، یم ایام، بیچوں، کودک منش، آئینہ ساز، خاکی نہاد، عالم کون وفساد، حلقہ شام وسحر، خود پرست، خدا جوئے، نرگستان، ضمیر کن فکاں، آواز درا، درائے کارواں، شاعر جادو نگار، مے آئینہ تاب، لالائی، قبائے زندگانی، گل دورو، خم خانہ فطرت، ماہ تمام، چراغ لالہ، خونیں جگر، سست رگ، پردگی، پردہ در، دوصرصر، غوتندر، تنگ مایہ، دوں نظر، کم سواد، شہید جستجو، آنسوئے گردوں، چشم تماشا، بادہ ناخوردہ، بود ونبود صفات، دیرینہ تابی، نو آفریں، برق سبک سیر، جلوہ گاہ شہود، کشمکش وجود، سست نہاد، پروانگی، حق اندیش، فتنہ ربا، فتنہ زا، ممکنات جسم وجاں، مردگزیں، یک فنی، ساحل افتادہ، گہوارہ سحاب، نخچیر گر، حرف نشاط آور، پختہ کار، بادسنج، غازہ تہذیب، افسونی قلم، بلبل شوریدہ، کارگاہ حیات، خونیں جگر، حریم سینہ، خلوتی، خویشتن نگر، نوائے دل گداز، پردگیان ساز، قافلہ نیاز، جان نیم سوز، عروس لالہ، قطرہ محال اندیش، رمیدبو، معرفت مشتری، نوائے بے سرود، تیز ترک، آہ شرر ریز، آشوب ہلاکو، ہنگامہ چنگیز، چشم کرشمہ زا، نوائے پریشاں، آتش تبریزی، تنگ افشانی، زمزمہ درا، کم طلبی، حرف شوق انگیز، دل خونین

نوا، عجم رمیدہ بو، فطرت اضداد خیز، عقل ناپروا، کارفرا، پیچاک زلف پر شکن، بادہ سر جوش اور عقل فسوں پیشے۔

اردو تراکیب:

دونوں مثالیں اقبال کی فارسی ترکیب سازی کی تھیں ان کی اردو تراکیب سازی جداگانہ توجہ کی محتاج ہے مگر اقبال کی بہت کم ایسی تراکیب ہیں جو ان کی فارسی کتابوں تک محدود رہیں، اور کلیات اردو میں وارد نہ ہو سکیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرزا غالب کی مانند اقبال کی اردو فارسی سے اقرب ہے اور اردو میں انہوں نے فارسی کی وہی تراکیب استعمال کرنے سے اجتناب کیا ہے جن سے کلام اجنبی بن سکتا تھا، اور ایسی ترکیبوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ یہاں اقبال کی ''فارسیت'' سے بحث کرنا بے محل ہے، مگر مجملاً اس امر کی طرف اشارہ انگزیر ہے کہ اقبال نے فارسی سابقوں، لاحقوں، محاوروں اور امثال سے اپنے اردو کلام میں بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے گو غالب کی طرح اپنی اردو شاعری کو ''رشک فارسی'' نہیں کہا، مگر حقیقت میں وہ ایسی ہی ہے ذولسانین شعرا میں غالب کے ابتدائی کلام میں فارسی تراکیب زیادہ ہیں، مگر اقبال کے ہاں مرور ایام کے ساتھ ساتھ ''فارسیت'' میں اضافہ ہوتا رہا ہے جیسا کہ شیخ سر عبدالقادر نے بھی ''بانگ درا'' کے دیباچے میں لکھا ہے مثنوی'' اسرار خودی'' کے آغاز تصنیف سے اقبال کی بیشتر توجہ فارسی گوئی کی طرف منعطف ہو گئی تھی، اور اس کے بعد انہوں نے اردو میں جو کچھ کہا، اس پر فارسیت کی چھاپ زیادہ

10 غالب نے کہا ہے:

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

11 ''کلیات اقبال اردو'' (''بانگ درا'') ص 17

نمایاں ہونے لگی ''اسرار و رموز'' (''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' نام کی مثنویاں) 1918 تک شائع ہو گئی تھیں ان مثنویوں میں اقبال کی نئی فارسی تراکیب کی ایک فہرست ملاحظہ ہو لطف خرام، تخلیق مقاصد، شکوہ آشوب، سخت کوش، سخت کوشی، تن پرستی، جنگاہ (جنگ + گاہ) درائے کارواں، انداز بیاں، ذوق عمل، تجلی زار، بیابان طلب، جگر پاکانہ، کم غوغا، شکوہ سنج، دیدہ امکاں، ندرت کوش، جذب خاک، بحر آشام، دانش حاضر، دانش نو، گلبرگ (برگ گل، اضافت مقلوب کے طور پر) ہم گر، افشاگر، یک اندیش، یک بیں، بر گیر، گردوں آستاں، کیواں جناب، جواں نگر، خودنما، خودشکن، وفا اندیشہ، نابودمند، مئے نوشیں، گردوں فر، گوہر گر، آسان گزار، نفسہائے رمیدہ، مزرع تسلیم، تر فروش، خطا اندیش، یک نہا، سرائے آب و گل، اقبال خواں حضرات توجہ فرمائیں گے کہ ان میں سے اقبال کے معدودے چند تراکیب اقبال کے اردو کلام میں وارد نہیں ہو سکیں مگر اکثر موجود ہیں۔

سابقے اور لاحقے:

فارسی زبان کی ترکیب سازانہ استعداد سابقوں اور لاحقوں (پیش آوند باوپس

آوندہا) کے استعمال میں بیشتر جلوہ گر ہے۔ نفی، اضداد اور فاعلی (مرخم اور مختصر صورت میں) علامات کے حامل ''وند'' اس زبان کی تزئین کا باعث ہیں اردو نے فارسی سے بہت کچھ لیا، مگر وہ صوتیات اور نحو سے زیادہ الفاظ کے ضمن میں اس زبان کی ممنون و مشکور ہے الفاظ میں اسما اور صفات اردو نے فارسی سے زیادہ لیے ہیں اور اس سلسلے میں ''تراکیب'' نے زیادہ کام کیا ہے یہ نکتہ یاد رکھنے کے

---

12 لفظ ''جنگاہ'' کو اقبال ''جاوید نامہ''، ''بال جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' میں بھی لائے ہیں یہ مرکب الفاظ (ایک گ حذف کر کے) کسی دوسرے متقدم شاعر کے ہاں نظر نہیں آیا

---

13 لفظ انداز (بمعنی اسلوب اور طرز) ایرانی فارسی میں نہیں آتا۔ برصغیر کے شعرائے فارسی کے ہاں البتہ مستعمل رہا ہے۔

---

14 جیسے خوب سے ناخوب، نوا گر، کارساز اور دل دار قسم کے اقسام کے آخر میں ''ندہ'' مرخم و محذوف ہوتا ہے۔

قابل ہے کہ عربی وغیرہ کے سابقے اور لاحقے بھی، بعض تصرفات کے ساتھ، فارسی کے ذریعے اردو میں وارد ہوئے ہیں۔ اقبال نے ان سابقوں اور لاحقوں کے ذریعے اردو اور فارسی ترکیب سازی کا کمال دکھایا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں: ہنگامہ آفریں، یاس انگیز، آسماں گیر، رہ نورد، خواجہ پرستی، نے نواز، نوا گر، شب گیر، جگر دار، جگر تاب، خروش آموز، نو خیز، آب نشاط انگیز، دیریاب، دیر پیوندی، شکر خا، شیشہ گر، بے بصر، خاک باز، خارا شگاف، سحر خیز، کم آمیز، انجم شناس، تنگ بخشی، افرنگ زدہ، کم نگاہ، عقدہ کشا، تن آساں، گراں سیر، تاب دار،

ناخوب، التفات آمیز، بے تیشی، آدم کشی، آب یاری، بے نوری، بے لذت نیاز، بے شرف، باشرف، پیرنگی، کم اوراقی، بے حضوری، بے ذوق، بے نظیر، بے زری، بے ساز و یراق، بے محنت پیہم، تاب ناکی، بے مسہری، صیاد، بلند نامی، پاک باز، پایاب، پردہ شگاف، خود آگاہی، تقدیر شکن، تبریشم کش، پرکار، تیز جولاں، تازہ صفیری، کہنہ صفیر، تر دماغ، تیز بیں، جرأت آموز، جہاں بینی، جگر تشنہ، جگر سوز، خود گیر، خوں گرفتہ، خودفریبی، خدافریبی، خودگزینی، دیدہ ور، دیو بے زنجیر، دست دولت آفریں، دہر آشوبی، درویش بے گلیم، درد آشنا، دیر گیر، کم نظری، دوئی پسند، ذوق آتش آشامی، روش بندہ پروری، راہ رونکتہ داں، زیاں کار، زخمہ ور، زحمت کش پیکار، زمیں گیر، زوررس، زن شناس، زجاج گر، زہر آلود، سودفراموش، سیل ہمہ گیر، سادہ اوراقی، سخن رس، سرخوش، سینہ سوز، سربلندی، سر بزیری، سکوں پسندی، سیاہ روز، سینہ بے سوز، گردوں نورد، شان دلآویزی، شعلہ نم خوردہ، طلسم بے خبری، عشق گرہ کشا، عقدہ کشا، عالم آشوب، غارت گر، غم خواری و کم آزاری، فغان بے شرر، فلسفہ زدہ، قباپوش، قافلہ سخت جاں، کہنہ ادراکی، کوچہ گرد، کورنگاہ، کرمک شب کور، کم یاب، کتاب خواں، کردار بے سوز، دل سوز، مومن، جان باز معرکہ آزما، نازن، نامحکمی دل، نسبت خویشی، نالہ بے باک، نقش گر تخیل بے رطب، نامرادی، نابصیری، نکوفر جام، نگونسار، نفس گزاری، ہم جوار، ہم نبرد، ہم عناں یہ تمام مثالیں اقبال کے اردو کلام سے ہیں ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ مرحوم نے سابقوں اور لاحقوں کے استعمال سے کیسے چست الفاظ وضع کیے یہ الفاظ فاعلی یا مفعولی صفات کے نمونے ہیں۔

پسندیدہ الفاظ اور تراکیب:

ہر ادیب اور شاعر کے کچھ پسندیدہ الفاظ ہوتے ہیں جنہیں وہ اکثر استعمال کرتا ہے اقبال کے ہاں بھی یہ امر مشہور ہے ان کے پسندیدہ الفاظ اور تراکیب اردو اور فارسی کلام میں مشترک ہیں ان کی لفظیات سے حسن، حرکت و عمل اور جرأت و ہمت مترشح ہے۔ شاعری کے علاوہ، اقبال کے مضامین، مکاتیب، نگارشات، بیانات اور ملفوظات کے مجموعوں میں بھی باشکوہ الفاظ کی فراوانی ہے اور ان الفاظ نے اردو کے دامن لغت کو وسیع تر کر دیا ہے اقبال نے اسم معرفہ کو مصدری صورت میں استعمال کر کے نئے معانی پیدا کیے ہیں اسم نکرہ (روباہ، زاغ، چرغ، شاہین اور شیر وغیرہ) کا مصدری استعمال بھی ان کے ہاں بے حد معنی خیز ہے۔ دراصل اقبال کی فکر ہمہ گیر پر تحقیقات اور تتبعات کے سلسلے نے اقبال کی شاعرانہ اور ادیبانہ شان کو کسی قدر بے توجہ بنائے رکھا ہے، مگر اس پہلو پر بہر حال توجہ ناگزیر ہے۔ علامہ مرحوم کے ستارہ، لالہ، جگر اور دل وغیرہ سے مربوط استعارات اور تلازمات بھی ایک مفصل گفتگو کے متقاضی ہیں مگر سر دست ذیل کے چند الفاظ اور تراکیب پر غور فرمائیں: آرزو، بے خودی، خودی، امت مرحوم، ملت بیضا، موج مضطر، چراغ لالہ، عروس لالہ، لالہ خونین کفن، لالہ صحرائی اسلامی تہذیب، لالہ نعمانی، لالہ پیکانی، خود نگر، خود افروز، خود کش خود شکن، شورش محشر، شور رستا خیز، شورش ناقوس، شورش محفل، شورش پنہاں، ابولہبی، عنتری، مرجبی، خیبری، کراری، مصطفوی، غزنوی، یا محمودی، ایازی، پرویزی، کوہ کنی، شیرینی (شیریں سے منسوب)، کوفی، شامی،

شبیری، تیموری، چنگیزی، سمرقندی، عربی، عجمی، اور افرنگی، روباہی، شاہینی (جرہ شاہنی، عقابی اور شیوہ باز، اور شیری (نیز دیگر کم زور اور قوی پرندوں اور حیوانات کے استعارے)

مندرجہ بالا چند الفاظ حسن، قوت و شکوہ، حرکت و عمل اور مقابلہ و مسابقہ کے مظہر ہیں اقبال کے پیغام کے اہم تر عناصر ان الفاظ سے اجاگر ہو رہے ہیں گل لالہ ان کے لیے سوز و ساز اور درد و داغ کا نمائندہ ہے قیامت خیز شور و ہنگامہ ان کے پیغام انقلاب کے لیے سازگار ہے مردان حق کی داستان ہائے مجاہدت کو وہ مسلمانوں کا نشان راہ بناتے رہے ہیں قرآن مجید میں انفس، آفاق اور جملہ مخلوقات پر عبرت آموز اور درس گیر توجہ کرنے کی متعدد بار تلقین آئی ہے اقبال نے اس تلقین کو نئے اسالیب بیان سے حرز جاں بنایا، اور اپنے مشاہدات سے اہل عالم کو روشناس کروایا حیوانات اور پرندوں کی مثال سے سامان عبرت بہم پہنچانا اسی قبیل کا ایک کام ہے مختصر یہ کہ اقبال کے الفاظ اور تراکیب ان کے فکر و پیغام کے زوردار نمائندے ہیں چند ابیات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

''بال جبریل'' (غزلیات)

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کار آشیاں بندی!

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی

اے حلقہ درویشاں، وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستا خیز!

نگاہ کرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اڑ جائیں
نہ آہ سرد کہ ہے گو سفندی و میشی!

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہ بازی کا!

نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے!
شکار مردہ سزاوار شاہ باز نہیں

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ!

رگوں میں گردش خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں

اے طاہر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!
چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ!
کر بلبل و طاوس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاوس فقط رنگ!

ضرب کلیم (قطعہ "اسرار پیدا")

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد!
ناچیز جہان مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے، تو عالم آزاد!
موجوں کی تپش کیا ہے؟ فقط ذوق طلب ہے
پنہاں جو صدف میں ہے، وہ دولت ہے خدا داد!
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

پرِ دم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ افتاد!

فارسی طریقوں کی جمع اور مسلسل اضافتیں:

فارسی طریقے کی دونوں جمعیں (''ہا''یا''ان'' کے مفرد پر اضافے سے) اردو شعرا کے ہاں موجود ہیں، مگر بہت کم مسلسل اضافتیوں کی مثالیں بھی غالب اور چند دیگر شعرا کے ہاں دیکھی جا سکتی ہیں مگر اقبال کے اردو کلام میں یہ دونوں موارد ہزاروں کی تعداد میں دیکھے جا سکتے ہیں بادی النظر میں یہ بات قابل تعریف و توصیف نہیں کہ اردو میں فارسی جمع اور اضافتوں کے تسلسل کو لایا جائے مگر ہنر مند اور قادر کلام شعرا و ادبا ان امور کو لائق تمجید بنا دیتے ہیں۔ اقبال کے ہاں فارسی جمعیں اور تسلسل اضافات ایسے ہی ہیں شاعر کا ذوق انتخاب، موسیقیت کے ساتھ رغبت اور ادب دانی ان نمونوں سے الم نشرح ہے اقبال کا یہ کام فارسی کے اساتذہ شعرا (جیسے سعدی اور حافظ) کے کاموں کی شبیہ ہے جنہوں نے عربی کے مطنطن کلمات کو ایسے استعمال کیا ہے کہ نگینے میں جڑاؤ کیے جا سکتے ہیں اقبال کے حسن استعمال کو ملاحظہ کرنے کے لیے وہ اشعار پیش نظر رہیں جن میں مندرجہ ذیل فارسی جمعیں اور پیہم اضافتیں وارد ہوئی ہیں۔

''باقیات اقبال'':

تہ چرخ کہن، غیر آب زر، سبوئے مئے شفق، مصاف نظم ہستی، شریک بزم

میخانہ، غیرت نوک سناں، زینت بازار جاں، شرمندہ ضبط فغاں، ظل دامان پدر، محیط دیدہ پرنم ہفراق رفتگاں، مایہ بے مائیگاں، تشنہ کامان محبت، مثال خندہ مادر، پناہ دین حق، علت حرماں نصیبی، دردآزادمصیبت، صید شاہین یتیمی، رہن غم پنہاں، عاشقان شافع محشر، لطف آب چشمہ حیواں (مشتے ازخروارے کے بموجب مثالیں نظم ''نالہ یتیم'' سے ہیں)

بانگ درا:

مرشدان خودبیں، آزردگی غیر سبب، ذوق خودافروزی، دانائے رموزکم، نازش موسم گل، مست مے ذوق تن آسانی، زحمت کش تنہائی صحرا، صہیل فرش اعدا، سر نہاں خانہ ضمیر سروش، نازنیناں سمن بر، حنا بندعرس لالہ، غبارآلودہ رنگ ونسبت، زناری بت خانہ ایام، بندہ حق بین وحق اندیش، بال وپر روح الامین، پرواز شاہین قہستانی، مےفروشان کہن، راہ رودشت بےآب، سیلی زدہ

---

15 طبع ثانی (لاہور: آئینہ ادب، 1996) مرتبہ سید عبدالواحد معینی اور عبداللہ قریشی

موج سراب، گرفتار طلسم ماہتاب، قافلہ ہائے کہن، حدیث ماتم دلبری، میان شاخساراں، صحبت مرغ چمن، بسوہ، دار بےزحمت

''بال جبریل''

نکتہ ہائے دقیق، بتان عہد عتیق، شیوہ ہائے خانقہی، سوز و سرور عہد شباب، بانگ صور سرافیل، جلوہ ہائے پابرکاب، لشکریاں شکستہ صف، لطف خلش پیکاں، حوصلہ مرد ہیچ کارہ، نغمہ جبرئیل آشوب، محرم راز درون میخانہ، آئین جواں مرداں، خدایان بحر و بر، غلام گردش دوراں، فروغ دیدہ افلاک، کعبہ ارباب فن، سطوت دین مبیں، قافلہ ہائے رنگ و بو، دریوزہ گر آتش بیگانہ، غزالان افکار، امام عاشقان دردمند، شریک مستی خاصان بدر، اندیشہ ہائے افلاکی، سرسراپردہ جاں، صفت تیغ دوپیکر، سیل سبک سروزمیں گیر، شارح اسرار حیات، زندانی نزدیک و دور و دیر و زود بے قافلہ و راحلہ و زاد، ستارگان فضا ہائے نیلگوں نفس سوختہ شام و سحر، قافلہ لالہ ہائے صحرائی، ہنگامہ دیرپا، خدنگ سینہ گردوں۔

''ضرب کلیم''

عشق بتاں، بے دوقی و رنجوری، جذبہ ہائے بلند، نغمہ ہائے بے صوت، صاحب نظراں، شریک شورش پنہاں، حلقہ ارباب جنوں، بتان وہم و گماں، گرمی یوم النشور، ضمیر فلک نیلی فام، وجود حضرت انساں، ساقیان سامری فن، مواقف تدرواں، فروغ مغربیاں، مرحلہ ہائے ہنر، ہنگامہ این و آں، محرم عالم مکافات، مثل خورشید سحر، غم خواری و کم آزادی، نظروران فرنگی، معصومان یورپ، ہجوم، زنان بازاری، بے مہری صیاد، منتظر بانگ رحیل، شیران غاب۔

''ارمغان حجاز''

شعلہ نم خوردہ، خانز ادگان کبیر، ساکنان عرش اعظم، سیاکان کہن، آدم یزداں صفات، نواہائے آرزو جگر سوز، ہنگامہ ہائے نو آبنو، خدایان ہمالہ، خودشناس وخودنگر، ہمسر شاہین و چرغ، پیران حرم، صفات ذات حق، سزاوار حدیث لن ترانی، حدیث بندہ مومن، غم خانہ، دہقان پیر، تبسمہائے پنہانی۔

---

12 بسوہ یعنی بیستم، بیسواں حصہ مراد ہے

حاصل مبحث

اقبال نے اردو اور فارسی میں صدہا نئی تراکیب وضع کیں اور ان کے ذریعے نئے مفاہیم و معانی کو ادا کیا ہے اردو میں ان کی نئی تراکیب اب تک جذب ہو چکی ہیں اور فارسی کی تراکیب بھی مانوس ہوتی جا رہی ہیں۔ افغانستان اور ایران کے ناقد حالت استعجاب میں ہیں کہ اقبال نے ایک اکتسابی زبان میں وضع تراکیب کا کام کیسے انجام دیا علامہ مرحوم اساتذہ شعرا اور ادبا سے استناد کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ ان کی ادبی بحثوں کے دل کش نمونے ان کے مکتوبات اور مقالات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ ''بہار عجم'' نام کی لغت سے بیشتر ارجاع کرتے رہے، مگر نئے افکار کو پیش کرنے کی خاطر انہیں نئے الفاظ اور تراکیب بھی ڈھالنی پڑیں۔ فارسی اصطلاح میں ''سبک اقبال'' اور اردو میں ''اسلوب اقبال'' سے جب بحث کی جائے، تو اقبال کے ''افکار نو'' کے ساتھ ساتھ

ان کی تراکیب نو پر بھی توجہ رکھنا چاہیے۔ اقبال کی نئی لفظیات میں اسم ہائے معرفہ و نکرہ کا مصدری استعمال، اور فارسی سابقوں و لاحقوں کی مدد سے نئی ترکیب سازی (فاعلی اور مفعولی صفات نیز مرکب توصیفی) قابل ذکر ہے۔ اقبال نے فارسی شاعری بڑے انکسار سے شروع کی مگر معانی کے ساتھ ساتھ لفظی تحویل اور دیگر گونی پر بھی گریا ان کی توجہ مبذول تھی:

نغمہ ام زاندازہ تار است بیش
من نترسم از شکست عود خویش
قطرہ از سیلاب من بیگانہ بہ
قلزم از آزوب او دیوانہ بہ
در نمی گنجد بہ جو عمان من
بحر ہا باید پے طوفان من
خوگر من نیست چشم ہست و بود
لرزہ بر تن خیزم از بیم نمود

اقبال نے اپنی وضع کردہ فارسی تراکیب میں سے اکثر کو اپنے اردو کلام

---

17 مولفہ لالہ ٹیک چند بہار، دو جلد (تصنیف بارھویں صدی ہجری کی ہے) یہ ضخیم لغت 1916 میں مطبع نول کشور لکھنو نے شائع کیا تھا

18 مثنوی ''اسرار خودی'' تمہید:

ہندیم از پارسی بے گانہ ام
ماہ نو باشم تہی پیمانہ ام

حسن انداز بیاں از من مجو

خوانسار و اصفہاں از من مجو

میں بھی نہایت چابک دستی کے ساتھ استعمال کر دیا ہے۔ ان کے اردو کلام میں ''فارسیت'' میرزا غالب کے دیوان اردو کے ''فارسیت'' سے بھی زیادہ ہے، مگر اس کے ثقل وگرانی کی ناقدانہ شکایت کرنا ناانصافی ہوگی ''ارتقا'' کے عنوان سے ''بانگ درا'' کا ایک قطعہ دیکھیں شاعر نے فرج ترشیزی (گیارھویں صدی ہجری کا ایک ایرانی شاعر، مقیم حیدرآباد دکن) کے ایک بیت کو تضمین کیا، اور دو ابیات کو فارسی نما رکھا۔ پھر بھی ابلاغ معانی میں مشکل نظر آتی ہے نہ ابہام:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی
حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
سکوت شام سے تا نغمہ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغان نیم شبی!
کشاکش زم و گرما، تپ و تراش و خراش
ز خاک تیرہ دروں تا بہ شیشہ حلبی!
مقام بست و کشاد و فشار و سوز و کشید
میان قطرہ نیسان و آتش عنبی!
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام

یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی
''مغان کہ دانہ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند، آفتاب می سازند''

☆☆☆☆☆

ابو بکر الجصاص اور اجتہاد و قیاس

سعید اللہ قاضی

اجتہاد اور قیاس پر کچھ لکھنے سے پہلے ابو بکر الجصاص چند ضروری اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں۔ان کے خیال میں ان اصطلاحات کی توضیح اجتہاد اور قیاس کے ظاہری اور باطنی معنوں کو سمجھنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے وہ اصطلاحات یہ ہیں:

دلیل:

ابو بکر کے نزدیک دلیل وہ ہوتی ہے جو کسی بھی مجتہد کے لیے مدلول (غرض مقصود) کو سمجھنے میں مدو معاون ثابت ہوتی ہے اس کو دلیل اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ منزل مقصود کی طرف رہ نمائی کرتی ہے۔

لفظ "دلیل" ابو بکر کے نزدیک دلیل القوم سے ماخوذ ہے، اور دلیل القوم اس رہ نما کو کہتے ہیں جو منزل مقصود کی طرف اپنی قوم کی رہ نمائی کرتا ہے۔

اپنی بات کی تائید میں ابو بکر الجصاص قرآن پاک کی ایک آیت پیش کرتے ہیں:

وان اللہ لھاد الذین آمنو الی صراط مستقیم

اور اللہ تعالی مومنوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں (54:66)

مذکورہ بالا آیت میں لفظ "ہادی" کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو منزل مقصود کی طرف اپنی قوم کی رہ نمائی

کرتا ہے، لیکن ابو بکر کسی بھی دلیل کو موجب مدلول علیہ نہیں مانتے اور نہ وہ اس کو مدلول علیہ کے وجود کا سبب مانتے ہیں مثال کے طور پر ایک رہ نما جو منزل مقصود کی طرف اپنی قوم کی رہ نمائی کرتا ہے حقیقت میں غرض مقصود کے وجود کا سبب نہیں ہے، البتہ غرض مقصود کو اس کی رہ نمائی کے سبب حاصل کیا جاتا ہے دوسرے معنوں میں وہ تو صرف غرض مقصود کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔

علت

ابو بکر الجصاص کے نزدیک علت اس معنی کو کہتے ہیں جس پر حکم کا دارو مدار ہوتا ہے دوسرے معنوں میں علت کا وجود اس معنی کے وجود پر منحصر ہے اگر یہ معنی موجود نہ ہو تو علت کا وجود محال ہے اور یہ عقلیات کا ایک مسلمہ اصول ہے۔

ابو بکر کے نزدیک علت کا ماخذ "علت" ہے جس کے معنی بیماری کے ہیں، اور جس کی وجہ سے مریض کی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہے اس لیے وہ ان معانی کو جن کی وجہ سے احکام عقلیہ وجود میں آتے ہیں علل کہتے ہیں اور اس لیے کہ ان کی موجودگی کے سبب بعض اوصاف اور احکام وجود میں آتے ہیں اگر یہ معانی نہ ہوتے تو علل کا سرے سے وجود نہ ہوتا مثال کے طور پر کسی شخص میں حرکت کی صفت اس کے متحرک ہونے کی علت ہے اسی طرح کسی شخص کی بینائی کا نہ ہونا اندھا کہنے کی علت ہے۔

استدلال کی تعریف:

ابوبکر الجصاص کے نزدیک کسی مدلول (غرض مقصود) کو پہچاننے کے لیے جو رہ نمائی ڈھونڈھی جاتی ہے اس کو

''اصول الجصاص'' 1/245 ملاحظہ ہو میرا مقالہ ''الفصول فی الاصول ابواب الاجتہاد والقیاس'' یہ مقالہ راقم الحروف نے ڈاکٹریٹ کے لئے لکھا تھا اور 1976 میں پشاور یونیورسٹی نے مذکورہ ڈگری کے لئے منظور کیا تھا مقالہ ناظم امتحانات پشاور یونی ورسٹی کے پاس محفوظ ہے، اور بحمدللہ یہ اب مکتبہ علمیہ لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

السرخسی کے نزدیک دلیل کی وہی تعریف ہے جو ابوبکر الجصاص نے کی ہے۔ السرخسی لکھتے ہیں کہ دھواں آگ کی دلیل ہے اور عمارت عمارت بنانے والے کی دلیل ہے اس کے برعکس ابن حزم الاندلس مذکورہ بالا قسم کی دلیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک صرف نص ہی ایک فیصلہ کن دلیل ہے اور صرف اس قسم کی دلیل مدلول کا علم بہم پہنچاتی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''اصول السرخسی'' 202:2,203 ''تسہیل الوصول'' لعبد الرحمان المحلاوی (مطبوعہ ملتان 1961) ص 12-22 اور ''ابطال القیاس۔۔۔'' لابن حزم الاندلسی، ص 41

استدلال کہتے ہیں

استدلال کی قسمیں:

ابوبکر الجصاص کے نزدیک استدلال کی دو قسمیں ہیں 1 جو انسان کو غرض مقصود کا علم بہم پہنچاتا ہے دوسرے معنوں میں یہ دلائل عقلیات میں غور کرنے کا نام ہے البتہ بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں حتمی دلیل صرف ایک ہوتی ہے اوراس کا معلوم کرنا ایک مجتہد کیلئے لازمی ہے۔

2 ایک مجتہد اپنی رائے اور گمان غالب سے نئے مسائل حل کرتا ہے اور وہ ان کے بارے میں کسی حتمی اور آخری فیصلے پر پہنچنے کا پابند نہیں ہوتا۔

قیاس کی قسمیں:

ابوبکر کے نزدیک قیاس کی دو قسمیں ہیں 1 جن کی بنیاد ایسی علت حقیقی پر ہوتی ہے جو فرع کے لئے اصل کے حکم کو لازم کرتی ہے اوراس قسم کی علتوں کا تعلق صرف عقلیات سے ہے

2 نت نئے مسائل کا قیاس اصول یعنی نصوص پر کرنا اس قسم کی علتوں کو حقیقت میں علل نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ علت کبھی بغیر حکم کے نہیں ہوتی اس کے برعکس شریعت اسلامی کے ساتھ جن علل کا تعلق ہے اور جن پر نئے مسائل قیاس کئے جاتے ہیں ان کے لئے احکام کا ہونا ضروری نہیں، کیونکہ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ ساری

---

2 ''اصول الجصاص'' 1/245 السرخسی کے نزدیک علت وہ معنی ہے جو کسی

نص میں ہوتا ہے اور جسے ایک مجتہد مستنبط کرتا ہے امام غزالی کے نزدیک علت وہ ہوتی ہے جس پر حکم کا دارومدار ہوتا ہے ابن حزم الاندلسی مذکورہ بالا نقطہ نظر کے حق میں نہیں ہیں ان کے نزدیک علل، جن پر احکام خداوندی کا دارومدار ہوتا ہے، کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں "اصول السرخسی" 2:301 "اصول التشریع الاسلامی" لعلی حب اللہ (مطبوعہ مصر، 1959) ص 91-105 "المسودہ فی اصول الفقہ" لال تیمیہ ص 374 "کتاب المستصفیٰ" لامام غزالی 2:230 اور "ابطال القیاس۔۔۔" لابن حزم (مطبوعہ دمشق 1960) ص 5 وبعد

---

3 "اصول الجصاص" 2/245

---

4 ایضاً

علتیں جن پر ہم نئے مسائل کا قیاس کرتے ہیں پہلے سے موجود تھیں لیکن ان کے لئے احکام کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ یہی علتیں حقیقت میں اصل کے بعض اوصاف ہیں اور یہ اوصاف احکام کی موجودگی سے پہلے موجود تھے دوسرے یہ کہ یہ اوصاف بعض حالات میں احکام معلوم کرنے کے لئے علامات اور نشانی کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں اور بعض مواقع پر نہیں۔

اجتہاد کی تعریف:

جب کسی مسئلے کا حل قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ اور قیاس کے ذریعے ممکن نہ ہو اور ایک مجتہد اپنے علم کی روشنی میں اپنی ذاتی رائے سے اس کا حل ڈھونڈ نکالتا

ہے اس کو اجتہاد کہتے ہیں اس کے برعکس اگر کسی مسئلے کا حل اصول اربعہ میں موجود ہو، اس کے حل کرنے کو اجتہاد نہیں کہا جاتا۔ مثال کے طور پر کوئی بھی صاحب ہوش وحواس اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اسلامؐ پر ایمان اجتہاد کا نتیجہ ہے اسی طرح

---

5 ایضاً، 1/246 امام شافعی بھی قیاس کی یہی تعریف کرتے ہیں دیکھیں ''کتاب الرسالہ'' ص 72 امام غزالی کا یہ بیان کہ بعض فقہا قیاس ہی کو اجتہاد قرار دے کر غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں کسی حد تک درست ہے، اس لیے کہ امام شافعی کے دور سے پہلے قیاس اپنی شکل میں موجود تھا، لیکن بعد میں یہ اجتہاد کا ایک حصہ بن گیا۔

احمد امین قیاس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اصل القیاس ان یعلم حکم فی الشریعة لشیی فیقاس علیه امراً آخر لا تحاد العلة فیهما ولکنهم توسعوا فی معناه احیانا فاطلقوه علی النظر والبحث عن الدلیل فی حکم مسئلة عرضت و لم یروفیها نص''

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' کتاب المستصفی '' (مطبوعہ مصر، 1324ھ) 229/228/2

ملاحظہ ہو انگریزی مجلّہ ''اسلامک سٹڈیز'' ستمبر 1976 میں احمد حسن کا مضمون '' The Principle of Qiyas'' احمد امین، ''ضحیٰ الاسلام'' (مطبوعہ مصر، 1974) 153/2 ''تفسیر النصوص'' صالح ادیب 81/1

جب کسی مسئلے کا حل اصول اربعہ میں مل سکے اس کو اجتہاد کی فہرست میں شامل

نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اجتہاد ایک مجتہد کا اپنی ذاتی رائے اور کوشش سے کسی ایسے مسئلے کے بارے میں کسی فیصلے پر نہ ہوں اور اس قسم کے مسائل کے حل کے بارے میں کسی مجتہد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خواہ مخواہ ان کے بارے میں کسی حتمی، صحیح اور متفق علیہ فیصلے پر پہنچ جائے اور ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک خدا کی وحدانیت اور پیغمبر خدا آپ پر ایمان لانے کا تعلق ہے اس کے بارے میں اصول میں واضح ہدایات موجود ہیں اور کسی بھی مجتہد کو اس کی حتمیت کے بارے میں شک وشبہ کرنا درست نہیں ہے۔

لفظ اجتہاد کا معنی:

ابو بکر الجصاص کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں اجتہاد کے تین معنی ہیں 1 ''القیاس الشرعی'' کسی ایسے مسئلے (فرع) کو جس کے لئے اصول اربعہ میں کوئی قانون وضع نہ ہوا ایسے مسئلے (اصل) پر قیاس کرنا جس کے لیے اصول اربعہ میں واضح قانون موجود ہو اس شرط پر کہ اصل اور فرع کی علت مشترک ہو ایسی حالت میں اصل کے حکم کا اطلاق فرع پر کیا جائے گا، مثلاً شراب کو لے لیجئے قرآن میں اس کے بارے میں واضح حکم موجود ہے کہ یہ حرام ہے۔

---

6 '' اصول الجصاص'' 1/246 صاحب '' لسان العرب'' اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں: اجتہاد کا معنی کوشش اور جد وجہد کے ہیں شرعی اصطلاح میں اجتہاد یہ ہے کہ کسی مسئلے کا حل پہلے قرآن میں تلاش کیا جائے، پھر سنت نبوی میں، پھر قیاس سے اس کا حل نکالا جائے اور آخر میں ایک مجتہد اپنی کوشش سے اس کا حل ڈھونڈ

نکالے۔ البتہ نصوص کسی مسئلے کا حل ڈھونڈ ھنے سے پہلے اس کو اپنی رائے سے حل کرنا اس کے نزدیک درست نہیں ہے۔

ابن حزم الاندلسی اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں کے مسئلے کا حل کتاب اللہ اور سنت نبوی میں تلاش کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''ابطال القیاس''ص42

یہاں شراب اصل ہے اور اس میں نشہ کی جو صفت موجود ہے وہ علت ہے حرمت اس کا حکم ہے اس لیے وہ ہر وہ چیز جس میں نشہ کی صفت پائی جائے لیکن اس کے بارے میں اصول میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اس کو شراب پر قیاس کیا جائے گا اور جو حکم حرمت شراب کا ہے وہ اس دوسری نشہ آور چیز کا بھی ہوگا(2)''اجتہاد'' اس میں کسی فیصلے کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاتا، بلکہ اس میں مجتہد اپنی ذاتی رائے استعمال کرتا ہے، اور اپنے ظن وتخمین کی روشنی میں کسی حتمی فیصلے پر پہنچتا ہے، جیسے کہ بعض حالات میں لوگ سمت قبلہ اپنے ظن وتخمین سے متعین کرتے ہیں(3)اصول اربعہ سے مسائل کا حل مستنبط کرنا۔

وہ طریقے جن سے نئے مسائل حل کیے جاتے ہیں:

ابو بکر کہتے ہیں کہ نئے مسائل دو طریقوں سے حل کئے جاتے ہیں 1اصول سے کسی مسئلے کا حل ڈھونڈ ھ نکالنا اور یہ حل حتمی، صحیح اور فیصلہ کن ہوگا2اجتہاد سے اس میں مجتہد کسی مسئلے کے لئے حتمی، صحیح اور فیصلہ کن حل نکالنے کا پابند نہیں۔

ابو بکر اجتہاد کو پھر تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں 1اصل میں علت کا

ڈھونڈھنا جس کی بنا پر فرع کو اصل پر قیاس کیا جاتا ہے ایسی صورت میں اصل کے حکم کا اطلاق فرع پر بھی کیا جائے گا اس کو قیاس کہتے ہیں2 کسی مجتہد کا کسی مسئلے کو اپنے رائے اور کوشش سے اس طرح حل کرنا کہ اسے مذکورہ بالا طریقوں سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو3 اصول سے دلائل کا اس طرح مستنبط کرنا کہ اجتہاد اور قیاس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

مذکورہ بالا اصطلاحات کی وضاحت کے بعد ابو بکر الجصاص اجتہاد اور قیاس کو قرآن پاک اور احادیث نبویؐ سے ثابت کرنے کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔

اجتہاد:

اجتہاد کے بارے میں ابو بکر الجصاص قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

---

7 ''اصول الجصاص''6 2-1/24

---

8 ایضاً

'' والوالدات برضعن ذوالادهن حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها لا تضآر والدة بولدها ولا مولود له بولوده وعلى الوارث مثل ذالك فان اراد فصالاً عن تراض منهما و تشاور فلا جناح عليهما'' (233/2)

ابو بکر الجصاص اس آیت میں اجتہاد کے جواز کو دو طریقوں سے ثابت کرتے

ہیں(1)آیت میں

" وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف"

میں لفظ "بالمعروف" کی توضیح ایک مجتہد اپنی ذاتی رائے سے کرسکتا ہے نص میں اس کے بارے میں کوئی حتمی حکم موجود نہیں۔

2 آیت

" فان اراد افصالا عن تراض منهما و تشاور فلا جناح علیهما"

میں باہمی رضامندی اور مشورے کا ذکر ہے، اور باہمی مشورہ ایسے معاملات میں نہیں ہوتا جن کے بارے میں نصوص میں واضح ہدایات موجود ہوں باہمی مشورہ تو استخراج رائے اور غالب ظن سے کیا جاتا ہے

" ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقر قدره متاعاً بالمعروف" (236/2) " وللمطلقات متاع بالمعروف" (241/2)

اور " فمتعوهن و سرحوهن" (49/33)

مذکورہ آیات میں نفقہ کی مقدار کا تعین صرف اجتہاد اور غالب ظن سے ہوہی سکتا ہے آیت:

" فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علهما فیها افتدت به" (229,2)

میں لفظ "خوف" کی وضاحت ایک مجتہد صرف اپنی رائے سے کرسکتا ہے۔

آیت

" فاعف عنهم واستغرلهم وشاورهم فی الامر فاذا عزمت

فتوکل علی اللہ (158/3)"

میں اس حقیقت کا ذکر ہے کہ پیغمبر اسلام ؐ نے اپنے صحابہ سے ان معاملات میں مشورہ فرمایا جن کے بارے میر نصوص میں واضح ہدایات نہیں تھیں اس لئے جنگی معاملات میں وہ ان مشوروں پر عمل کرتے تھے جو آپ کے خیال میں زیادہ موثر ہوتے تھے آیت

" فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ" (3/4)

میں لفظ "خوف" کی تعریف ایک مجتہد صرف اپنے ذاتی اجتہاد سے کرسکتا ہے، اس لیے کہ مستقبل کے واقعات

---

9 ایضاً، 2/248

---

10 ایضاً، 2/249

---

11 ایضاً، 2/248

انسانی عقل کی گرفت میں نہیں آسکتے ان کے بارے میں صرف ظن وتخمین سے کام لیا جاسکتا ہے۔

آیت

" وابتلو الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشداً فادفعو الیھم اموالھم" (2/4) میں لفظ" وابتلو" اور " رشداً"

کا تعین ایک مجتہد صرف اپنے ذاتی اجتہاد ہی سے کرسکتا ہے

احادیث نبویؐ سے استدلال:

قرآن پاک کے بعد ابو بکر الجصاص اپنی بات کی تائید میں احادیث نبوی سے دلائل پیش کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں نبی کریمؐ نے حضرت معاذؓ کو ثالث مقرر فرمایا تھا تا کہ وہ اپنی رائے سے بنی قریضہ کے اسیروں کے بارے میں فیصلہ صادر فرمائیں آپ نے مردوں کو قتل کرنے اور بچوں کو قیدی بنانے کے احکامات صادر فرمائے نبی کریمؐ نے آپ کے اس فیصلے کو درست قرار دیا۔

نبی کریمؐ نے اذان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا کسی نے سینگ بجانے کا مشورہ دیا اور کسی نے ناقوس بجانے کا آپؐ نے سینگ بجانے کو یہود کا عمل بتایا اور ناقوس بجانے کو نصاریٰ کا پھر عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان کے کلمات القا کیے گئے آپ نے ان کے بارے میں نبی کریمؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے اس کو پسند فرمایا ظاہر ہے آپؐ نے صحابہ سے اذان کے بارے میں مشورہ فرمایا صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں اگرچہ آپ نے ان تمام تجاویز کو پسند نہیں فرمایا، لیکن آپ نے صحابہ کو اجتہاد کی روشنی میں تجاویز پیش کرنے پر ملامت بھی نہیں فرمائی۔

نبی کریمؐ نے اساری بدر کے بارے میں اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا حضرت ابو بکرؓ نے ان کو فدیہ پر رہا کرنے کا مشورہ دیا اور حضرت عمرؓ

---

12 ایضاً، 1/249

13 ایضاً، 2/249 ''احکام القرآن'' للجصاص، 1/330-331، 2/133
358،373،382340،

14 ''اصول الجصاص'' 1/250 ''صحیح البخاری'' کتاب المغازی

نے ان کو قتل کرنے کا نبی کریمؐ نے حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ قبول فرمایا اور ان کو فدیہ پر رہا کر دیا اگر اس کے بارے میں واضح نص موجود ہوتی تو نبی کریمؐ اس سلسلے میں صحابہ سے مشورہ نہ فرماتے۔

اجتہاد کی تائید میں ابو بصیر کا واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے صلح حدیبیہ کے بعد ابو بصیر مشرکین مکہ سے بھاگ کر حضورؐ کے پاس آئے۔ قریش نے اپنے دو آدمی حضورؐ کے پاس بھیج دیے تا کہ وہ شرائط صلح کے مطابق ابو بصیر کو قریش کے حوالے کر دیں۔ واپسی پر ابو بصیر نے قریش کے ان دو قاصدوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور خود جا کر سیف البحر میں قیام پذیر ہو گئے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد سیف البحر میں ابو بصیر کے ساتھ جا شامل ہوئی۔ ظاہر ہے ابو بصیر اور ان کے رفقا کا یہ عمل اجتہادی تھا، اور نبی کریمؐ نے ان کے خلاف کچھ نہیں فرمایا ابو بکر الجصاص کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے آپ سے مشورہ کیے بغیر دوسرے مسلمانوں کو سیف البحر میں ابو بصیر کے ساتھ قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن نبی کریمؐ نے نہ تو حضرت عمرؓ کے اس عمل کو ناپسند فرمایا اور نہ ابو بصیر کا قاصد کے قتل کو اور نہ سیف البحر میں ان کے قیام کو اور نہ دوسرے مسلمانوں کا ان کے ساتھ آ شامل ہونے کو۔

اسی طرح غزوہ موتہ میں نبی کریمؐ نے جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ زور عبداللہ بن رواحہ کو یکے بعد دیگرے جرنیل مقرر فرمایا تھا، لیکن جب ان کو شہید کیا گیا تو لوگوں نے حضرت خالد کو سپہ سالار مقرر کیا نبی کریمؐ نے ان کے اس فیصلے کو جو ان سے اجتہاداً صادر ہوا تھا درست قرار دیا کیونکہ اس کے بارے میں ان کے پاس

نبی کریمؐ کی طرف سے واضح ہدایات موجود نہ تھیں۔

---

15 ''اصول الجصاص'' 1/250 ''صحیح مسلم''، کتاب الجہاد ''مسند احمد بن حنبل'' 343/3

---

16 ''اصول الجصاص'' 1/251 ''سنن ابی داؤد''، ''کتاب الجہاد''، ''سنن الدارمی'' السیر۔

---

17 ''اصول الجصاص'' 1/251 ''صحیح بخاری''، ''کتاب المغازی''

عمرو بن بجدان ابو ذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اپنے دور افتادہ اونٹوں کو واپس لانے کے لئے گئے وہ پانی سے دور رہ گئے تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھی چنانچہ آپ حالت جنابت میں، یعنی بغیر غسل کے، نماز پڑھا کرتے تھے واپسی پر انہوں نے اس کی اطلاع نبی کریمؐ کو دی۔ آپ نے انہیں غسل کرنے کا حکم صادر فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مٹی سے تیمم ان کے لئے کافی ہے اگر چہ یہ دس سال تک کیوں نہ ہو، لیکن جب پانی تک رسائی ممکن ہو جائے تو غسل کرنا ضروری ہے ظاہر ہے کہ بغیر غسل کے نماز پڑھنا اجتہاداً عمل میں لایا گیا تھا اور نبی کریمؐ نے ان کو ان نمازوں کا دوبارہ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور نہ بغیر غسل کے نماز پڑھنے پر ان کو ملامت کیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے اسید بن حضیر اور چند دوسرے لوگوں کو ان کے گم شدہ ہار کی تلاش میں بھیجا نماز کا وقت آ گیا اس وقت چونکہ تیمم والی آیت نازل نہ ہوئی تھی اس لئے لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی واپسی پر انہوں نے اس کا ذکر نبی کریمؐ کے حضور کیا آپ نے ان کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے پر

ملامت نہیں کی ظاہر ہے انہوں نے ایسا اپنے اجتہاد کی روشنی میں کیا تھا اور نبی کریمؐ نے ان کے اس اجتہاد کو رد نہیں فرمایا۔

اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ کی حیات میں ایک دفعہ انہوں نے رمضان کے مہینے میں روزہ افطار کیا اس دن مطلع ابر آلود تھا اور ان کا غالب گمان یہ تھا کہ سورج غائب ہو چکا ہے، لیکن اچانک سورج نمودار ہوا نبی کریمؐ نے ان کے اس عمل کو ناپسند نہ فرمایا۔

عمرو بن العاصؓ نے ایک دفعہ ذات السلاسل کی جنگ میں ایک سرد رات کو، جب کہ وہ حالت جنابت میں تھے، تیمم کیا اور نماز

---

18 ''اصول الجصاص'' 1/251 ''سنن ابی داؤد'' کتاب الطھارہ

19 ''اصول الجصاص'' 1/251 ''صحیح بخاری''، کتاب التیمم و کتاب التفسیر

20 ''اصول الجصاص'' 1/251 ''صحیح بخاری''، کتاب الصوم

پڑھائی انہیں یقین تھا کہ غسل کرنے سے ان کی صحت کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا تھا واپسی پر لوگوں نے اس کی اطلاع نبی کریمؐ کو دی۔ نبی کریمؐ نے عمرو بن العاصؓ نے اس اطلاع کی توثیق کروائی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اگر میں غسل کرتا تو مجھے میری جان کا خطرہ تھا اور اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو خود ہلاکت میں مت ڈالو نبی کریمؐ مسکرا گے اور کچھ نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے نبی کریمؐ نے نہ عمرو بن العاصؓ کے اس اجتہاد کو کہ جنابت سے غسل کرنا واجب ہے۔

حماد بن سلمہ ثابت سے روایت کرتے ہیں اور حمید انس سے کہ جب آیت

" فول و جھک شطر المسجد الحرام" (2-144)

نازل ہوئی تو بنی سلمہ کے ایک آدمی آئے اور اونچی آواز میں کہا کہ قبلہ تبدیل ہو گیا ہے اس وقت لوگ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے اپنی بات دہرائی لوگ جو رکوع کی حالت میں تھے کعبہ کی طرف پھر گئے ابوبکر الجصاص کہتے ہیں کہ نماز میں ان کا کعبے کی طرف منہ کرنا اجتہاداً عمل میں آیا اور ان کا دوبارہ نماز نہ پڑھنا بھی ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا۔

قیاس:

اجتہاد کے بعد ابوبکر الجصاص قیاس پر قلم اٹھاتے ہیں ان کے نزدیک قیاس کے معنی ہیں ایک چیز کا دوسری کے ساتھ مقابلہ کرنا یا ایک مسئلے کو دوسرے پر قیاس کرنا یا ایک چیز کو دوسری چیز پر منطبق کرنا وغیرہ اپنی بات کی تائید میں وہ پہلے قرآن پاک سے اور پھر احادیث نبوی سے دلائل پیش کرتے ہیں

21 ''اصول الجصاص'' 2/251 ''صحیح بخاری''، کتاب التیمم

22 ''اصول الجصاص'' 2/251 ''صحیح مسلم'' کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ

23 ''اصول الجصاص'' 1/250 ''احکام القرآن'' للجصاص 2,59,99,26

24 ایضاً

وہ قرآن سے آیت

'' فاعتبرو یا اولی الابصار'' (2:59)

دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اس آیت میں ابوبکر کے نزدیک لفظ

" فاعتبروا"

کا مفہوم یہ ہے کہ ماضی میں مختلف قوموں سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگئی ہیں، ان سے درس عبرت حاصل کرنا اس لئے اللہ تعالی ہمیں بھی متنبہ کرتے ہیں کہ اگر ہم نے بھی ان کی ان غلطیوں کو دہرایا تو ہمیں بھی ان جیسے انجام کا سامنا کرنا پڑے گا ابوبکر الجصاص اس آیت کے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس کی تعریف یوں کرتے ہیں: ایک مسئلے کو علت مشترک کی بنیاد پر دوسرے اس جیسے مسئلے پر قیاس کرنا، یا علت مشترکہ کی بنیاد پر ایک ایسے مسئلے (فرع) کو جس کے لئے قرآن میں واضح حکم موجود نہ ہو ایسے مسئلے اصل پر قیاس کرنا جس کے لئے قرآن میں واضح حکم موجود ہو اس حالت میں اصل کے حکم کا اطلاق فرع پر بھی کیا جائے گا۔

اس طرح آیت

" ونزلنا الیک لکتاب تبیانا لکل شی" (89/12)

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے بارے میں ساری چیزوں کی تفصیل سے واقف ہیں اور کوئی ایسا مسئلہ چھوٹا یا بڑا نہیں ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں واضح نہ کیا ہو۔ اس لیے قرآن کو چھوڑ کر نبی کریمؐ نے جو بھی مسئلہ اپنے اجتہاد سے حاصل کیا ہے وہ ہمارے لیے اسی طرح حجت قطعی ہے جس طرح کہ قرآن مثلاً اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں:

" وما آتکم الرسول فخذوه و مانها کم عنه فانتهو (7/59)

اور " ومن یطع الرسول فقد اطاع الله" " (80/4)

اس طرح ابو بکر کے نزدیک اجماع بھی قرآن وحدیث کی طرح حجت قطعی ہے

حقیقت میں اجتہاد، قیاس، استحسان اور خبر واحد

25 ''احکام القرآن'' 3-189-190

''اصول الجصاص'' (ابواب الاجتہاد و القیاس، راقم الحروف کا مقالہ، ص 17)

26 ایضاً

27 جیسا کہ اگلے صفحات سے واضح ہو جاتا ہے

28 ''اصول الجصاص'' 2/254 ''مسند احمد بن حنبل'' 1-212، 6-429

آیت

''تبیانا لکل شی''

کے حکم میں آتے ہیں، اس لیے کہ جب کوئی مسئلہ نصوص میں نہ ہو اور اللہ تعالی نے ہمیں قرآن میں بتایا ہے کہ اس کی کتاب دین کے بارے میں ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے تو لازماً ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صرف قیاس ہی سے ہم ایسے مسائل کو حل کر سکتے ہیں جن کا حل نصوص میں نہ ہو نتیجتاً ہمارے پاس قیاس کو قانون اسلامی کے ایک مستند ماخذ کے طور پر ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

احادیث نبوی:

نبی کریمؐ کے زمانے میں اجتہاد کی طرح قیاس سے بھی مسائل حل کرنے کا رواج عام تھا ابو بکر الجصاص اپنی بات کی تائید میں احادیث نبوی سے مندرجہ ذیل

شواہد پیش کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس کے والد بڑھاپے کی وجہ سے حج ادا نہیں کر سکتے۔ کیا وہ ان کی طرف سے حج ادا کر سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تمہارے باپ کے ذمے قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ آدمی نے ہاں میں جواب دیا اس پر نبی کریمؐ نے اس کو اپنے باپ کی طرف سے حج ادا کرنے کی اجازت دی یہاں نبی کریمؐ نے دوسرے کی طرف سے حج کی ادائیگی کو قرض پر قیاس کیا۔

ابو ذرؓ ایک حدیث میں فرماتے ہیں میں نے نبی کریمؐ سے پوچھا: اے خدا کے رسولؐ! مال دار لوگ سارا اجر حاصل کر گئے۔ وہ خدا کی راہ میں خیرات کرتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں! آپؐ نے فرمایا: آپ بھی ایسا کرتے ہیں میں نے پوچھا: اے خدا کے رسول! وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور ہم نہیں آپؐ نے فرمایا: آپ کے لیے راستے سے اذیت دہ چیز کا ہٹانا، گناہ سے اجتناب اور کم زور کی مدد صدقہ ہے، یہاں تک کہ آپ کا اپنی بیوی سے ملنا بھی صدقہ ہے میں نے پھر پوچھا:

---

29 ''اصول الجصاص'' 2/253, 1/254 ''مسند احمد بن حنبل'' 176,154/5

---

30 ''اصول الجصاص'' 2/254 ''جامع ترمذی'' ابواب العلم'' مشکل الآثار' للطحاوی 1-122-130

---

31 ''اصول الجصاص'' 3/254 ''سنن ابی داؤد'' ''کتاب الصیوم

اے خدا کے رسولؐ!

ہمیں اپنی خواہشات کی تکمیل پر بھی اجر دیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اپنی ان خواہشات کو ناجائز طریقے سے پوری کرتے تو کیا گناہ کا ارتکاب نہ کرتے؟ میں نے کہا: ہاں آپؐ نے فرمایا: کیا برائی کا حساب آپ کے ساتھ ہوگا اور اچھائی کا نہ ہوگا؟

یہاں نبی کریمؐ نے حرام چیزوں کو حلال چیزوں پر قیاس کیا، اور انہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ علت مشترکہ کی بنیاد پر ایک مسئلے کو دوسرے اس جیسے مسئلے پر قیاس کیا جا سکتا ہے، اور دوسرے مسئلے کے حکم کا اطلاق پہلے مسئلے پر ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ نبی کریمؐ نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو ان کو بتایا گیا کہ لوگوں سے علم اٹھنے والا ہے اس لیے آپؐ نے فرمایا: یہ وہ اوقات ہیں جن میں لوگوں سے علم اٹھ جائے گا، اور لوگ اس بارے میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ زیاد بن لبید نے کہا: اے خدا کے رسولؐ! علم ہم سے کیسے اٹھ جائے گا؟ قرآن تو ہمارے پاس موجود ہے خدا کی قسم، ہم اسے اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور وہ اسے اپنی اولاد کو آپؐ نے فرمایا: اے زید بن لبید! میں تو آپ کو مدینہ کے فقہا میں سے خیال کیا کرتا تھا کیا یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس بائبل موجود نہیں تھی؟ کیا اس سے ان کو کچھ فائدہ ہوا؟ یہاں نبی کریمؐ نے زیاد بن لبید کو قیاس کے ذریعے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ قرآن ہمارے پاس ہونے کے باوجود علم ہم سے رخصت ہو جائے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے روزے کی حالت میں

اپنی بیوی کا بوسہ لیا انہوں نے اس کی اطلاع آپ ؐ کو دی نبی کریم نے فرمایا اگر وہ روزے کی حالت میں مضمضہ کرتے تو اس کا کیا حکم ہوتا؟ انہوں نے جواب دیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے آپ ؐ نے فرمایا روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے میں بھی کوئی حرج

---

32 ''اصول الجصاص'' 2/254 ''سنن الدارمی'' ص 34,33

---

33 '' اصول الجصاص'' 2/254، 1/255 '' احکام القرآن'' للجصاص 3/258-262

---

34 ''اصول الجصاص'' 1/255 ''احکام القرآن'' آیات متعلقہ

نہیں ہے یہاں نبی کریم ؐ نے بوسہ لینے کو مضمضہ پر قیاس کیا اور اس کو اس کی علت بھی بتادی۔

موسیٰ بن عبیدہ عبد اللہ ابن عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ؐ جب حضرت معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعری ؓ کو یمن بھیج رہے تھے تو آپ ؐ نے ان سے دریافت فرمایا: آپ لوگوں کے مسائل کیسے حل کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا ہم قرآن کے مطابق ان مسائل کو حل کریں گے آپ ؐ نے پوچھا اگر ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑے جن کا حل قرآن میں نہ ہو؟ انہوں نے جواب دیا: سنت رسول میں ان کا حل ڈھونڈیں گے آپ نے دوبارہ پوچھا اگر ان کا حل قرآن اور حدیث دونوں میں نہ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم ایک مسئلے کا دوسرے مسئلے پر قیاس کریں گے آپ نے فرمایا: آپ درست کام کرتے ہوں گے۔

اجتہاد اور قیاس، صحابہ کے زمانے میں:

صحابہ کے زمانے میں اجتہاد اور قیاس کا رواج اسی طرح عام تھا جس طرح کہ نبی کریمؐ کے زمانے میں تھا اس کی وجہ ظاہر ہے نبی کریمؐ کے زمانے میں صحابہ اپنے مسائل کی خدمت میں پیش کرتے تھے صحابہ اکثر مسائل کا حل اپنی ذاتی رائے سے فرماتے اور پھر ان کی اطلاع آپؐ کو دیتے۔ نبی کریمؐ ان کے اس فیصلے کی تائید کر کے اس کو حجت قطعی کا درجہ دیتے، یا اس میں ضروری ترمیم فرماتے، یا اس کو یکسر منسوخ کرتے اور اس طرح ان کو کسی مسئلے کے بارے میں صحیح پوزیشن معلوم ہو جاتی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حالات یکسر بدل گئے اجتہاد اور قیاس کی ضرورت بھی شدت سے محسوس ہوئی اور صحابہ کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار تھا بھی نہیں، اس لیے کہ جو بھی نیا مسئلہ ان کے پاس حل کرنے کے لیے لایا جاتا وہ اسے اجتہاد اور قیاس سے حل کرتے، اور

---

35 ''اصول الجصاص'' 1-255 ''صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام'' ''مسند احمد بن حنبل'' 1/75

---

36 ''اصول الجصاص'' 1/256

---

37 ایضاً

ایسا کرنے میں وہ بالکل حق بجانب تھے اس لیے کہ آیت

'' وشاورھم فی الامر '' (159/3)

میں ''سارے معاملات میں مشورہ'' شامل ہے، یعنی نہ صرف یہ کہ پیغمبرؐ اپنے

صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے، بلکہ صحابہ بھی ایک دوسرے سے ضروری امور میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ مشورہ تو ایسے امور میں ہوتا ہے جن کے لئے نصوص میں واضح حل موجود نہ ہو۔

اس کے علاوہ آیت

فاعتبرو یا اولی الابصار

اجتہاد اور قیاس صحابہ کے زمانے میں ہی نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر زمانے میں لازم کرتی ہے اور اس کا دائرہ کار بغیر کسی استثنا کے سارے معاملات پر حاوی ہے اجتہاد اور قیاس پر عمل کرنے کے بارے میں صحابہ کا حوصلہ نبی کریمؐ کی احادیث ''اختلاف امتی رحمۃ'' اور کل مجتھد مصیب سے اور بھی بڑھ گیا ظاہر ہے مختلف مسائل میں اختلاف رائے نبی کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوا، مثلاً خلیفہ کے تقرر کے بارے میں نبی کریمؐ کی طرف سے کوئی واضح ہدایات موجود نہیں تھیں اس لیے صحابہ نے اپنے اجتہاد سے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ نامزد کرنا بھی ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا اس کے بعد حضرت عمر کا چھ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کو تشکیل دینا بھی ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا مشہور خط مسائل کا ایک دوسرے پر قیاس کرنے کے بارے میں

---

38 ایضاً، ''سنن الدارمی'' مقدمہ

صحابہؓ کے درمیان دوسرے اموال غنیمت کے ساتھ شام اور عراق کی زمین کی تقسیم کے بارے میں اختلاف تھا۔ بعض اس کی تقسیم کے حق میں اور بعض تقسیم کے خلاف تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اس کو صحابہ کے درمیان تقسیم کر کے آنے والی

نسلوں کو کیسے محروم کرسکتا ہوں؟ چنانچہ انہوں نے اس کو متعلقہ لوگوں کے پاس چھوڑ دیا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''کتاب الخراج'' لابی یوسف ص 33-38

---

39 ''اصول الجصاص'' 2-427

لکھا تھا

حضرت علیؓ نے دادا کو وراثت کے سلسلے میں ایک ایسی نہر سے تشبیہہ دی جس سے کہ چھوٹی نہر الگ ہوتی ہو، اور پھر اس ایک چھوٹی نہر سے دو اور ندیاں الگ ہوتی ہوں زید بن ثابت نے دادا کو درخت کی ایک ایسی شاخ پر قیاس کیا جو ایک درخت میں اگتی ہو اور اس ایک شاخ سے دو اور شاخیں پھوٹ نکلتی ہوں۔

عبداللہ بن مسعودؓ جن کے اقوال پر حنفی فقہ کی بنیاد ہے کہتے ہیں: ایک وقت ایسا تھا کہ ہم سے فتویٰ طلب کئے جاتے تھے لیکن ہم فتویٰ دینے کے اہل نہ تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتویٰ دینے کے اہل بنایا اور لوگ ہم سے فتوے طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا: جو بھی مسئلہ آپ کے سامنے آ جائے اس کا **حل** کتاب اللہ میں ڈھونڈھو اگر کتاب اللہ میں اس کے لئے واضح **حل** موجود نہ ہو تو سنت نبویؐ میں اس کا **حل** تلاش کرو اور اگر سنت نبوی میں بھی اس کا **حل** نہ ملے تو پھر اسے اپنے اجتہاد سے **حل** کرنے کی کوشش کرو۔

یہ تو تھے وہ شواہد و دلائل جو ابو بکر الجصاص نے اجتہا اور قیاس کے بارے میں قرآن اور احادیث نبوی میں پیش کیے۔

بہر حال اجتہاد اور قیاس کو شریعت اسلامی کے مسلمہ اصول کی حیثیت سے متفق طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے ان کو نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ

ان کی سخت مخالفت بھی کی ۔انہوں نے اجتہاد اور قیاس کو دین میں ایک اختراع اور بدعت قرار دیا ان کے نزدیک قرآن اور حدیث میں تمام مسائل کا حل موجود ہے اور اجتہاد اور قیاس کی سرے سے کوئی ضرورت ہے ہی نہیں۔

اس نقطہ نظر کے خلاف اجتہاد اور قیاس کے ماننے والوں کا ردعمل ایک قدرتی امر تھا، اور ابو بکر الجصاص ان لوگوں میں سے ایک تھے

40 ایضاً

41 ایضاً، 2/263, 1/263

42 **ایضاً** 43-2/247, 1-247

43 ایضاً 2/257, 1/257

جنہوں نے منکرین اجتہاد اور قیاس کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار کیا انہوں نے پہلے اپنے مخالفین کا نقطہ نظر اور دلائل پیش کیے اور پھر ان کو یکے بعد دیگرے رد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

مخالفین قیاس و اجتہاد کے دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن ۔آیت

" یا ایھا الذین آمنو لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ"

(1:49) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیاس اور اجتہاد حقیقت میں تقدم بین یدی اللہ و رسولہ ہے۔

اسی طرح آیت

" ولا تقولو لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا

حرام" (116-16)

میں ہر وہ شخص شامل ہے جو نصوص کی طرف رجوع کرنے سے پہلے اپنی رائے سے اشیاء کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیات

" ما فرطنا فی الکتاب من شیی" (38-2) " اتبعو ما انزل الیکم من ربکم" (3:7) "ولا تقف ما لیس لک به علم" (16:17) اور "و ان تقولو علی الله ما لا تعلمون" (129:2)

سے یہ بات واضح طور پر مترشح ہوتی ہے کہ القیاس الشرعی حتمی طور پر حقیقت علم کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے اس کی پھر کوئی ضرورت نہ رہی۔

احادیث:

حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں:

ای ارض تعلنی و ای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب الله برأی

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں

اجرا کم علی الجد اجرا کم علی النار

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

من اراد ان یتقحم جراثیم جهنم فلیقل فی الجد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں من شاء باهلته ان الجدات

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

الا یتقی اللہ زید یجعل ابن الابن بمنزلۃ الابن ولا یجعل الجد بمنزلۃ الاب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

لو کان الدین بالقیاس لکان باطن الخف اولیٰ بالمسح من ظاھرہ لو لا الی راست رسول اللّٰ مسح ظاھر انحف

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ

---

45 ایضاً

---

46 ایضاً

---

47 ایضاً

---

48 ایضاً

---

49 ایضاً

---

50 ایضاً

انہوں نے فرمایا:

ایاکم واصحاب الرای فانھم اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا فقالو بالرای

مسروق عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

قراؤ کم و صلحاء کم یذھبون و یتخذ الناس روسا جھالا یقیسون الامور برائیھم

مسروق دوسری جگہ فرماتے ہیں

لا اقیس شیئا بشی فانی اخاف ان تزل قدمی

ابن سیرین فرماتے ہیں

اول من قاس ابلیس و انما عبدت الشمس والقمر بالمقائیس

اشعت فرماتے ہیں

کان محمد بن سیربن لا یکاد ان یقول شیئا برایہ

الشعبی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے جواب دیا

لعلک من القائسین

الشعبی کے سامنے ایک دفعہ لوگوں نے قیاس کا ذکر چھیڑا انہوں نے کہا

ان اخذتم بہ احللتم الحرام وحرمتم الحلال

ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں

کان الشعبی لایقیس

اور کہتے ہیں کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے

ابو بکر الجصاص مذکورہ بالا دلائل کا جواب بڑی وضاحت سے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اور قیاس کی شرعی حیثیت نبی کریمؐ صحابہ اور تابعین تمام نے مان لی ہے، اور اس کے بارے میں ہم کافی دلائل پچھلے صفحات میں دے چکے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد اور قیاس شریعت اسلامی کے بہت اہم اصول ہیں اور کوئی بھی ترقی پذیر نظام ان کے بغیر نہیں چل سکتا اس لیے آیت

لا تقدمو بین یدی اللہ و رسولہ (1:49)

کسی حالت میں بھی قیاس کی نفی نہیں کرتی، کیونکہ کسی چیز کے بارے میں خدا کا

حکم دو چیزوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے، نص سے یا دلالت سے قائلین قیاس نص کی عدم موجودگی میں دلائل کی پیروی کرتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے احکام پر دلائل پیش کرتے ہیں، اس لیے دلیل کی پیروی کرنے والا کسی حالت میں بھی متقدما بین یدی اللہ و رسولہ نہیں ہوگا

51 ایضاً

52 ایضاً

53 ایضاً

54 ایضاً

55 ایضاً

56 ایضاً

57 ایضاً

58 ایضاً

59 ایضاً 1/263

60 ایضاً 1/258, 2/257

اس طرح آیت

" ولا تقولو لما تصیف المستنکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام" (116:16)

اس شخص کی تحلیل اور تحریم کو حرام قرار دیتی ہے جو جھوٹا ہو، لیکن ایسا کرنا قائسین کی صفت نہیں ہے وہ اپنے قول میں سچے ہوتے ہیں گویا کہ نص میں خلاف قیاس

چونکہ واضح حکم نہیں اس لیے ان کا نقطہ نظر اباحت قیاس کے بارے میں صحیح ہے اس طرح قیاس کی روشنی میں جو احکام وضع کیے جاتے ہیں وہ بھی درست ہیں

جہاں تک آیت

" وان تقولو علی اللہ ما لا تعلمون " (129:2)

کا تعلق ہے تو قیاس کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں پہلی قسم وہ ہیں جن کے نزدیک ہر مجتہد کا فیصلہ دست ہوتا ہے اس لیے مذکورہ بالا اعتراض اس نقطہ نظر کے لوگوں کے خلاف بے معنی ہے، یعنی جو بھی مجتہد قیاس کی روشنی میں کسی فیصلے پر پہنچتا ہے وہ درست ہوتا ہے ظاہر ہے معترضین کا اعتراض اس نقطہ نظر کے لوگوں کے خلاف بے معنی ہے دوسری قسم وہ ہے جن کے نزدیک صرف ایک مجتہد قیاس کی روشنی میں کسی فیصلے پر پہنچتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے، اگرچہ اس میں خطا کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

آیت

" وما فرطنا فی الکتاب من شی " (38/6)

کبھی بھی قیاس کی نفی نہیں کرتی اور قیاس کی تائید میں ہم قرآن پاک سے کافی شواہد و دلائل پیش کر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نصوص محدود ہیں اور نئے مسائل لا محدود اور محدود نصوص لامحدود مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب کسی مسئلے کا حل نص میں موجود نہ ہو اس کا حل اجتہاد اور قیاس کی روشنی میں نکالا جائے گا اس لیے قیاس کسی حالت میں بھی اس آیت کے دائرہ عمل سے خارج نہیں

ہوسکتا۔

اس طرح آیت

" اتبعو ما انزل الیکم من ربکم" (3/7)

بھی قیاس کی نفی نہیں کرتی بلکہ اس کی تائید کرتی ہے، اس لیے کہ قیاس

" ما انزل الیکم من ربکم"

کے مفہوم میں شامل ہے، اور ہم اس کی وضاحت پچھلے

---

21 ایضاً 1/258

صفحات میں کر چکے ہیں

مزید برآیں ابوبکر الصدیقؓ اپنے قول سے اجتہاد و قیاس کی نفی نہیں کرتے اور وہ دوسرے قول میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں، مثلاً:

ای ارض تقلنی و ای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب اللہ بغیر ما اراد اللہ

اس لئے وہ قیاس و اجتہاد کی مخالفت اس وقت کرتے ہیں جب کہ قرآن و سنت اور اجماع صحابہ میں کسی مسئلے کا حل موجود ہو اور لوگ اس کے باوجود اجتہاد و قیاس کی طرف رجوع کریں۔

ابوبکر الصدیق نے تو بذات خود مختلف مسائل اجتہاد و قیاس سے حل کئے ہیں، مثلاً کلالہ کے بارے میں انہوں نے فرمایا:

" اقول فیھا بر ای فان یک صوابا فمن اللہ و ان یک خطاء فمنی و من الشیطن"

حضرت عمرؓ کا قول بھی اجتہاد و قیاس کی نفی نہیں کرتا۔ حقیقت میں ان کے نزدیک دادا کے میراث کا مسئلہ بہت باریک ہے اور اس کے بارے میں فقہا کے سوا کسی اور کو کلام نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ان لوگوں کے جواب میں ہے جو ان کے بیان کی تردید کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ نے قرآن پاک میں دادا کو ''اب'' کا نام دیا ہے جیسے

'' ملة ابیکم ابراھیم'' (78:225)

اور

'' یا نبی آدم'' (26/7)

عبداللہ بن عباسؓ تو ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ نہیں کرنا چاہتے جنہوں نے اس کی مخالفت اس کے حکم میں کی وہ تو ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ضروری سمجھتے ہیں جو ان کے ساتھ نام (وجہ تسمیہ) میں اختلاف کرتے ہیں۔

جہاں تک زیدؓ کے بیان کا تعلق ہے، ابوبکرؓ کے نزدیک اس سے زیدؓ کو اس بات کی وضاحت کرانا مقصود ہے کہ مفہوم میں دادا باپ سے الگ نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ قیاس واجتہاد سے اصول شریعت ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ اصول شریعت تو قرآن و سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ موزوں کے نچلے۔

---

22 ایضاً

---

23 ایضاً

24 ایضاً

25 ایضاً

نہ کہ اوپر والے حصے پر مسح کیا جائے، اس لیے کہ وہ زمین کے ساتھ لگتا ہے اور زمین پر گندگی، کیچڑ اور گرد پڑی رہتی ہے۔

بہر حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس سلسلے میں قیاس پر عمل نہیں کیا انہوں نے جیسے نبی کریمؐ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا خود بھی اسی طرح کیا الغرض ان کے اس قول سے اس قیاس کی نفی ہوتی ہے جو نص کی موجودگی میں عمل میں لایا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ سے اس قول کی روایت مستند بنیادوں پر نہیں ہے، اور اگر یہ فرض محال ہے بھی تو اس کی تفسیر دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ پہلی یہ کہ بعض لوگ قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں، دوسری یہ کہ بعض مجتہدین مسائل کا حل نصوص میں ڈھونڈھنے سے پہلے ان کو اپنی رائے سے حل کرتے ہیں اس لیے حضرتؓ کے قول سے مذکورہ بالا دو قسم کے لوگوں کی مخالفت مقصود ہے۔

عبداللہ کا قول ابو بکر الجصاص کے نزدیک حضرت عمرؓ کے مندرجہ بالا قول کے مترادف ہے وہ بھی اپنے قول سے ان لوگوں کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں جو نصوص سے بے خبر ہو کر اپنی رائے سے مسائل حل کرتے ہیں۔

جہاں تک مسروق کے قول کا تعلق ہے تو یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ مسروق ان لوگوں میں سے تھے جو رائے اور اجتہاد سے بہت کم کام لیتے تھے۔

ابن سیرین اپنے قول سے ان قیاسیات کی رد کرتے ہیں جن کی کوئی شرعی بنیاد

نہیں ہوتی۔

الشعبی کے قول سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ عام حالات میں ایک مسئلے کو دوسرے مسئلے پر قیاس کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔قرآن وسنت اور اجماع صحابہ میں واضح حل موجود نہ ہو اس لئے انہوں نے اس قیاس سے اجتناب کیا جو نصوص کی مخالفت کر رہا ہو۔

---

66 ایضاً

67 ایضاً

68 ایضاً

69 ایضاً

70 ایضاً 1/259

71 ایضاً

72 ایضاً

قیاس واجتہاد کے بارے میں امام الشعبی کا نقطہ نظر اس بات سے واضح ہے کہ کوفہ کے بڑے بڑے فقہا نے قیاس ان سے سیکھا اور قیاس کے جواز کے بارے میں ان کی رائے حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتبہ اور عبداللہ بن شبرمہ کی رائے سے مختلف نہیں ہے۔

الشعبی سے یہ بھی روایت ہے کہ ان کے نزدیک قضا کی بنیاد تین چیزوں پر ہے محکمات قرآن پر، سنت متبع پر اور رائے مجتہد پر۔

اور عیذاب بن احنف کہتے ہیں: الشعبی نے ایک دفعہ ایک شخص کے خلاف

فتویٰ دیا، ان سے پوچھا گیا اللہ پاک نے آپ کو جو علم دیا اس کی روشنی میں فتویٰ دیں انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔

اور ابو حصین نے ذکر کیا ہے کہ الشعبی نے ایک دفعہ ایک قضیے کا فیصلہ صادر کیا پھر کہا مجھے معلوم نہیں کہ میں نے درست فیصلہ دیا ہے یا غلط، لیکن میں اپنے فیصلے سے واپس نہیں ہوں گا۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ الشعبی قیاس سے مسائل حل نہیں کرتے تھے، تو ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ ان کو احادیث و آثار کا کثیر مجموعہ یاد تھا۔ اس لیے ان کو قیاس کے استعمال کی ضروریات نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے معنوں میں ان کے قیاس نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ قیاس میں ماہر نہیں تھے جیسا کہ روایت ہے کہ الشعبی، ابراہیم اور ابو الضحی مسجد میں بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے۔ جب ان کے پاس ایسا مسئلہ لایا جاتا تھا جس کے بارے میں ان کے پاس روایت نہ ہوتی تھی تو وہ اس مسئلے کو ابراہیم کے سپرد کرتے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابراہیم ان کے مقابلے میں قیاس میں زیادہ ماہر تھے اور الشعبی کو چونکہ آثار صحابہ زیادہ یاد تھے اس لیے ان کو قیاس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

اپنے نقطہ نظر کو نقلی دلائل سے ثابت کرنے کے بعد ابو بکر الجصاص

---

73 **ایضاً**

---

74 ایضاً 2/259

---

75 ایضاً

76 ایضاً، 2/259

77 ایضاً

عقلی دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ احکام خداوندی تین قسم کی ہیں:

1 جس کو عقل واجب مانتی ہے اور شرع اس کے وجوب پر تاکید کرتی ہے اور عقل اسے قبول کرتی ہے، جیسے خدا کی وحدانیت پر ایمان اور نبی کریمؐ کی نبوت کی تصدیق اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیں کا شکریہ ادا کرنا، وغیرہ

2 جس کو عقل نے ممنوع قرار دیا ہو اور شرع نے ان کی ممانعت پر تاکید کی ہو اور عقل اسے قبول کرتی ہو جیسے کفر، ظلم، کذب وغیرہ

ان دو قسم کے احکام میں شرع کسی ایسی قسم کی مداخلت نہیں کرسکتی جو خلاف عقل ہو اور نہ ان میں نسخ اور تبدیلی لاسکتی ہے۔

3 مذکورہ بالا دو قسم کے احکام کے بین بین یعنی عقل نہ ان کو حرام قرار دیتی ہے اور نہ واجب، بلکہ ان کے حسن و قبح کا بنفسہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر عقل ان کو حرام قرار دیتی ہے تو ہمیں ان کے نقصان دہ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اگر انہیں واجب قرار دیتی ہے تو ہم ان کی افادیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تجارتی کاروبار حلال قرار دیا ہے اور اس کو ہماری مرضی پر چھوڑا، لیکن اس کے نفع بخش یا نقصاندہ ہونے کو لامحالہ مدنظر رکھا جائے گا، اسی طرح ہم اپنی مرضی سے اپنے کھیتوں میں زراعت کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے اپنے مریضوں کا علاج کرتے

ہیں، لیکن ان سب میں ہم اپنے نفع اور نقصان کا خیال رکھتے ہیں اگر ہماری غالب رائے میں کسی دوائی کا استعمال صحت کے لئے مضر ہے تو ہم اس دوائی سے علاج کرنا ممنوع قرار دیتے وبالعکس

اللہ تبارک وتعالی مذکورہ بالا اشیا میں بھی ہمارے لئے قوانین وضع کرسکتا تھا اور وہ ایسا کرنے پر قادر ہے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اوران تمام اشیا کو ہمارے اجتہاد پر چھوڑا، اس لیے کہ وہ اس طریقے کو ہمارے لئے نفع بخش جانتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے ہمیں یہ بھی واضح کیا کہ اچھے کام کرنے سے ہم نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی خوشی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس نے ہمیں یہ بھی بتادیا ہے کہ اخروی نعمتیں صرف تقویٰ، خوف خدا اور فرماں برداری سے مل جاتی ہیں اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اچھے اعمال کا نتیجہ اچھا اور برے اعمال کا نتیجہ برا ہوتا ہے اور ہمیں ان دو میں سے کوئی بھی عمل اختیار کرنے کی قدرت حاصل ہے، لیکن کوئی بھی ذی ہوش آدمی برے اعمال کرنے کا طریقہ نہیں اپنائے گا۔

الغرض جب کسی مسئلے کا حل نصوص میں نہ ہو تو ہم اس کو اپنی رائے سے حل کرنے میں پوری طرح حق بجانب ہیں اور اس قسم کے مسائل کا حل کرنے میں ہمارا اپنا فائدہ مضمر ہے۔

اس طرح ہمارے مخالفین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جنگی چالوں، فوجی حکمت عملی اور دوسری جنگی تیاریوں میں رائے اور اجتہاد لابدی ہیں۔ ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ مذکورہ بالا حکمت عملی کو بروئے کار لانے سے مسلمانوں کی

طاقت بڑھتی ہے اور مشرکین کی طاقت ختم ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تمام معاملات کا تعلق چونکہ دین سے ہے اور ان میں اجتہاد کی اجازت ہے تو دوسرے معاملات میں بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے اسی طرح عام فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو تلوار یا بندوق سے اشارہ کرتا ہے تو مشار الیہ ضرور اپنے فہم و فراست سے کام لے گا اور مشیر کی نیت کو جاننے کی کوشش کرے گا اگر وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مشیر کا ارادہ اس کو قتل کرنے اک ہے تو مشار الیہ ضرور اپنا دفاع کرے گا اور اگر ضروری سمجھے تو مشیر کو قتل کر سکتا ہے، اس کے برعکس اگر وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ مذاق کرتا ہے تو پھر مشار الیہ کو اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس کا قتل حرام ہے ظاہر ہے کہ مشیر کا قتل کرنا یا نہ کرنا مشار الیہ کی ذاتی رائے پر منحصر ہے اور جب اس قسم کی حالت میں ذاتی رائے کا استعمال درست ہے تو دوسرے حالات میں بھی درست ہونا چاہیے۔

اس طرح کی مثالیں نبی کریمؐ کے فیصلوں میں بھی ملتی ہیں، مثلاً پیغمبر اسلامؐ نے ایک دفعہ حضرت ماغر کے خلاف زنا کے بعد رجم کا فیصلہ صادر فرمایا آپؐ نے یہ فیصلہ اس علت زنا کی بنا پر دیا جو نص میں موجود ہے، لیکن رجم کی سزا صرف ماغر تک محدود نہیں رکھی گئی بلکہ یہ سزا ہر اس شخص کو دی گئی جو ماغر کی طرح زنا کا مرتکب ہوا، اگر چہ نص میں اس سزا کے سلسلے میں صرف ماغر کا نام مذکور تھا۔

78 ایضاً 1/260

79 ایضاً

☆☆☆☆☆☆

Iqbal Review

ournal of the iqbal Academy Pakistan

This journal is devoted to reserch studies on the life, poetry and thought of iqbal and on those branches of learning in which he was intrested: Islamic studies, Philosphy, History, Sociology, Comparative Religion, Literature, Art, and Archaeology.

Published alternatily

in

English(aPril and October) and urdu

(junvary and july)

Subscription

(for four issues)

Pakistan Rs.15.00

Foreign Countries Us $ 5.00 or Stg. 1.75

Price per copy

Rs 4.00

Js $ 1.50 of Stg 0.50

All contributions should be addressed to the secertry, Editorial Board, iqbal review,116 Meclod Road, Lahore. Each article must have its duplicate copy. the academy in not responsible for the loss of any article.

published by

Dr M. Moizuddin, Editor and secertary of the editorial Board of the Iqbal review and Director, qbal Academy Pakistan, Lahore

Printed at

zarreen Art Press,

61 Railway Road, Lahore.

تصورات عشق وخرد

ڈاکٹر وزیر آغا

اقبال کی نظر میں

اقبال کے تصورات عشق وخرد ان کے فکری نظام میں ایک اساسی حیثیت رکھتے ہیں مگر عجیب بات ہے کہ انہی تصورات نے بہت سے مغالطوں کو جنم بھی دیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جہاں شاعر اور فلاسفر ایک ہی شخصیت کے بطون میں سرگرم عمل ہوں تو ترسیل کا المیہ جنم لیتا ہے شاعر جس اشاراتی اور تمثیلی زبان میں بات کرتا ہے وہ فلاسفر کی منطقی اور دو ٹوک قسم کی زبان سے مختلف ہوتی ہے لہٰذا جب ان دونوں زبانوں کو لسانیات کی ایک ہی کنجی سے کھولنے کی کوشش کی جائے تو بہت سے فکری مغالطے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

اقبال کے سلسلے میں بعض اصحاب نے جن تضادات کی طرف بار بار اشارے کیے ہیں وہ اقبال کے شعری باطن اور اس سے ابھرنے والی علامتوں کا تجزیہ کرنے کی صورت میں باقی نہیں رہتے۔ لہٰذا اقبال کا مطالعہ بطور فلاسفر کرنے کے بجائے اس طور کرنا چاہیے کہ ان کے نظریات کے عقب میں پھیلے ہوئے ان کے شعری باطن کو گرفت میں لیا جا سکے۔۔۔۔ اقبال نے جو کچھ خطبات میں کہا ہے اور پھر جو کچھ شاعری میں کہا ہے، بنیادی اور اساسی طور پر ایک ہی خیال ہے جو نہ تو محض

وہمی سوچ کے حوالے سے عشق کا علم بردار ہے اور نہ محض منطقی سوچ کے حوالے سے عقل کا، بلکہ ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے جس میں عقل اور عشق دونوں صرف ہوئے ہیں اور نتیجہ ایک ایسے عمل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جو سراسر تخلیقی ہے۔۔۔انہوں نے تو عشق اور عقل دونوں کی قوت کو استعمال کیا اور ایک تخلیق کار کی حیثیت میں ابھر آئے۔ گویا ان کا بنیادی میلان نہ تو صوفیانہ ہے اور نہ فلسفیانہ، بلکہ تخلیقی اور جمالیاتی ہے۔

تصورات عشق و خرد میں فاضل مصنف نے یہی موقف اختیار کیا ہے

صفحات 256+Xii کتابیات و اشاریے قیمت 35 روپے

مکمل فہرست کتب طلب فرمائیں

اقبال اکادمی پاکستان

116 میکلوڈ روڈ، لاہور

ختم شد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔The End